اشاعت کا ۶۳ واں سال

یادگار : شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید

ماہنامہ ہمدرد نونہال

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

مدیرِ اعلا
مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۱۲ | جلد ۶۳

صفر المظفر - ربیع الاول ۱۴۳۷ ہجری

دسمبر ۲۰۱۵ عیسوی

قیمت عام شمارہ ۳۵ رُپے

سالانہ (عام ڈاک سے) ۳۸۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۵۰۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۳۴۰ رُپے

سالانہ (غیر ممالک سے) ۵۰ امریکی ڈالر

ٹیلے فون — 36620945 سے 36620949
36616001 سے 36616004

ایکسٹینشن — (054 یا 052 یا 066)

ٹیلے فیکس نمبر — (92-021) 36611755

ای میل — hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdardlabswaqf.org

ویب سائٹ ادارہ سعید — www.hakimsaid.info

فیس بک پیج — www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

سرورق کی تصویر | رخسار اکرم، کراچی

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبادت کتنی اچھی چیز ہے۔ عبادت گزار یا عبادت کرنے والا کتنی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، لیکن کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ عبادت کا مطلب کیا ہے، مقصد کیا ہے اور فائدہ کیا ہے؟

عبادت دراصل اس بات کا اقرار اور اظہار ہے کہ جس کی عبادت کی جارہی ہے وہ معبود ہے اور جو عبادت کر رہا ہے وہ عبد ہے۔ عبد کے معنی بندے کے ہیں۔ جو انسان عبادت کرتا ہے، وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں بندہ ہوں اور جس کی عبادت کر رہا ہوں وہ میرا مالک ہے، خالق ہے، آقا ہے، اس کا حکم ماننا میرا فرض ہے۔ اس کی اطاعت میں ہی میری بھلائی ہے۔ معبود نے جو ہدایات دی ہیں، ان پر عمل کر کے ہی میں نجات پا سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کرے۔ عبادت کرنے والے ہی اچھے بندے ہوتے ہیں۔ وہ اچھے انسان بھی ہوتے ہیں۔ عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ خود عبادت کرنے والے کو ہی فائدہ ہوتا ہے۔ عبادت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اور اللہ کا تعلق باقی اور مضبوط رہے، بندے اور آقا کا رشتہ پائدار رہے۔ جب انسان کو یہ بات یاد رہے گی کہ وہ خود آقا نہیں ہے، بلکہ آقا کا بندہ ہے تو وہ آقا کے حکموں کی پابندی کرے گا اور اس پابندی کی وجہ سے ہر کام صحیح ہوگا۔ جھوٹ، دھوکا، ظلم، ناانصافی اور بے ایمانی نہیں ہوگی، بلکہ سچائی، سکون، ہمدردی، انصاف اور دیانت کا دور دورہ ہوگا۔ یہی عبادت کا مقصد ہے۔

(ہمدرد نونہال مئی ۱۹۸۷ء سے لیا گیا)

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

اس شمارے (دسمبر ۲۰۱۵ء) کے ساتھ ہمدرد نونہال کی زندگی کے ۶۳ سال پورے ہو گئے۔ اس طویل عرصے میں ہمدرد نونہال کو جاری رکھنے، ترقی دینے، مقبول بنانے کے لیے ہم نے جو کوشش اور محنت کی ہے اس میں ہمدرد نونہال کے لیے لکھنے والوں کا بڑا حصہ ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ ہمدرد نونہال جیسا کچھ ہے، ویسا وہ نہ ہوتا، اگر اس کے لیے کہانیاں، مضامین اور نئی نئی معلومات لکھ کر یہ بزرگ اور دوست میرا ہاتھ نہ بٹاتے۔

شہید حکیم محمد سعید تو ہمدرد نونہال کے بانی تھے اور میری ہمت افزائی کرنے والے بھی تھے۔ ان کے بعد محترمہ سعدیہ راشد کا نام بھی نمایاں ہے۔ ان کے علاوہ جن خواتین اور حضرات نے اس کو اپنے سنہری لفظوں سے زندہ رکھا، اُن سب کے نام لکھنا بہت مشکل ہے، خاص طور پر شروع کے چند برسوں میں جنھوں نے اپنی تحریریں عطا کیں، اُن میں بہت مشہور، کم مشہور اور بالکل نئے لکھنے والے شامل ہیں۔ حامد اللہ افسر، کرشن چندر، مسلم ضیائی، محمد احمد سبزواری، محمد زکریا مائل، رئیس امروہوی، شاعر لکھنوی، قمر ہاشمی، حکیم عطاء الرحمٰن، آغا محمد اشرف، سمیع آرٹسٹ، ساقی فاروقی، سوز شاجہاں پوری، ثریا ہمدرد، ملا واحدی، پروفیسر حبیب اللہ رُشدی، نسیمہ قاسمی، محمد حسین حسّان، اختر احمد برکاتی یہ چند نام ہیں۔ ان میں بہت مشہور ادیب اور شاعر بھی ہیں اور کم مشہور بھی۔ میری خواہش اور کوشش ہوگی کہ آیندہ ہمدرد نونہال کو کہانیوں، نظموں، مضمونوں اور ترجموں سے سیراب کرنے والے نام یاد دلا کے اپنی محبت میں قارئین کو شریک کروں۔ ☆

روشن خیالات

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

دل آزاری کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

حضرت علی کرم اللہ وجہ

ہر وہ دن تمھارے لیے خوشی کا دن ہے، جس دن تم اپنی ماں سے مسکرا کر بات کرو۔

مرسلہ : محمد شاہد کھتری، نیو کراچی

ابو نصر فارابی

جب تک انسان علم حاصل کرتا رہے، وہ عقل مند رہتا ہے اور جب اسے یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ سب کچھ جان چکا ہے تو وہ بے وقوف ہو جاتا ہے۔

مرسلہ : عبدالرافع، کراچی

شیخ سعدیؒ

آہستہ آہستہ چل کر منزل تک پہنچ جانا، دوڑ کر راستے ہی میں گر جانے سے بہتر ہے۔

مرسلہ : قمرناز دہلوی، کراچی

خواجہ معین الدین چشتیؒ

غم زدہ کے غم میں شریک ہونا عین عبادت ہے۔

مرسلہ : فضا فاروق، غریب آباد

حافظ شیرازی

عیب ہر انسان میں ہوتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ عقل مند اپنے عیب خود محسوس کرتا ہے اور بے وقوف اپنے عیب خود محسوس نہیں کرتا، بلکہ دوسرے لوگ محسوس کرتے ہیں۔ مرسلہ : خرم احمد، لاہور

حضرت بابا فرید شکر گنجؒ

دشمن سے مشورہ کرنے سے دشمنی میں کمی ہو جاتی ہے۔

مرسلہ : زینب ناصر، فیصل آباد

شہید حکیم محمد سعید

سچ سننے کی عادت ڈالو، چاہے وہ تمھارے خلاف کیوں نہ ہو۔ مرسلہ : عرشیہ نوید، کراچی

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

ہزاروں میل کا سفر بھی ایک قدم آگے بڑھانے سے شروع ہوتا ہے۔

مرسلہ : سعد ریحان، کوئٹہ

کنفیوشس

سچائی تلاش کرنے والے کو کبھی مایوسی نہیں ہوتی۔

مرسلہ : شائل ناظم الدین، کراچی

نبی کریمؐ کا جانوروں پر رحم

نسرین شاہین

اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہدایات کا نمونہ قرار دیا ہے۔ آپؐ سب کے لیے رحمت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر مخلوق پر رحم کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے زبان جانوروں سے رحم کا سلوک بے مثال تھا۔ آپؐ نے جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان پر رحم کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہاں چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں، جن سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کے ساتھ بھی رحم کرنا چاہیے۔

صحابی حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں ابنِ عمرؓ کے ساتھ تھا۔ وہ چند نوجوانوں کے پاس سے گزرے، جنھوں نے ایک جگہ مرغی باندھ رکھی تھی اور اس پر تیر سے نشانہ بازی کر رہے تھے۔ انھوں نے ابنِ عمرؓ کو دیکھا تو بھاگ گئے۔ اس وقت ابنِ عمرؓ نے فرمایا: ''بلاشبہ رحمت للعالمینؐ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔'' (صحیح بخاری)

ایک بار اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے آرام کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جب تم لوگ سفر کے دوران سرسبز اور شاداب علاقوں سے گزرو تو اونٹوں کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ اور جب قحط کے زمانے میں سفر کرو تو انھیں تیزی کے ساتھ چلاؤ۔'' (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے گھر کے احاطے میں داخل ہوئے، جس میں ایک اونٹ بندھا تھا۔ اونٹ نے آپؐ کو دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپؐ اس کے قریب تشریف لائے۔ اس

کے کوہان اور کنپٹیوں پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تو اونٹ پُرسکون ہو گیا۔ پھر آپؐ نے اونٹ کے مالک کے بارے میں پوچھا تو ایک انصاری نوجوان سامنے آ گیا۔ آپؐ نے اس نوجوان سے فرمایا: ''کیا تم اس جانور کے معاملے میں، جس کا مالک اللہ تعالیٰ نے تم کو بنایا ہے، اللہ سے نہیں ڈرتے؟ وہ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ تم اسے تکلیف دیتے اور ہر وقت کام میں لگائے رکھتے ہو۔'' (ابوداؤد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایسا اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا۔ آپؐ نے زور دیتے ہوئے فرمایا: ''ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان پر سوار ہو تو ان کو اچھی حالت میں رکھ کر سوار ہو اور ان کو کھاؤ تو اچھی حالت میں پال کر کھاؤ۔'' (ابوداؤد)

ایک دفعہ ایک صحابی رحمتِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں کسی پرندے کے بچے تھے۔ آپؐ نے ان بچوں کے بارے میں پوچھا تو صحابی نے عرض کیا: ''میں ایک جھاڑی کے قریب سے گزرا تو ان بچوں کی آواز آ رہی تھی۔ میں انھیں اُٹھا لایا، ان کی ماں نے دیکھا تو بے تاب ہو کر چکر کاٹنے لگی۔''

یہ سن کر نبی پاکؐ نے فرمایا: ''فوراً جاؤ اور ان بچوں کو وہیں رکھ آؤ، جہاں سے لائے ہو۔'' (مشکوٰۃ)

ایک مرتبہ ایک شخص جنگل میں سفر کر رہا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی تو کنویں پر جا کر پانی پیا۔ واپس لوٹ رہا تھا کہ ایک کُتّے کو دیکھا، جو پیاس کی وجہ سے زبان نکالے ہوئے بیٹھا تھا۔ اپنی پیاس کی تکلیف کو محسوس کر کے اسے کُتّے پر ترس آیا۔ کنویں پر جا کر پانی نکالا اور کُتّے کو پلایا۔ جب یہ بات رحمت للعالمینؐ کے علم میں آئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو پسند کیا اور اس کی بخشش فرما دی۔''

ایک صحابی نے یہ سن کر دریافت کیا: ''یا رسول اللہؐ! کیا جانوروں کے ساتھ شفقت و رحمت پر بھی اَجر ملتا ہے؟''

آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''کیوں نہیں؟ ہر جان دار کے ساتھ رحم کرنے میں اُجر ملتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی چڑیا یا جانور کو ناحق مار ڈالے، اللہ اس کے مارنے کے بارے میں سوال کرے گا۔''

پوچھا گیا: ''یارسول اللہؐ! اس کا حق کیا ہے؟''

آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اس کا حق یہ ہے کہ اگر اسے ذبح کرے تو اس کو ضرور کھائے۔ یہ نہ کرے کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے اور اس کا گوشت استعمال میں نہ لائے۔'' (مشکوٰۃ)

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے منھ پر مارنے اور ان پر بہ طور نشانی داغ لگانا بھی منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا۔

آقائے دو جہاںؐ سب کے لیے رحمت تھے۔ آپؐ صحابۂ کرام کو جانوروں سے شفقت و محبت اور رحم کرنے کا حکم دیا۔ جانوروں کو وقت پر چارا اور پانی دینے کا حکم دیا۔ ان کو پریشان نہ کرنے اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادنے کی تاکید فرمائی۔

ہم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے پالتو اور دوسرے جانوروں کا خیال کریں، انھیں کبھی تکلیف نہ پہنچائیں، کیوں کہ یہ بھی جان دار ہیں، انھیں بھی اتنی ہی تکلیف پہنچتی ہے جتنی ہمیں پہنچتی ہے۔ ☆

اے قائدِ اعظم

حکیم خاں حکیم

اے مرے رہنما! اے مرے غمگسار
تم سے قائم ہے میرے چمن کی بہار
باعثِ صد یقیں ، باعثِ افتخار
ذرّہ ذرّہ وطن کا ہے تم پر نثار

خونِ دل سے کیے ، بجھتے روشن دیے
دکھ اُٹھائے ہیں تُو نے ہمارے لیے
تیرے خوں کی قسم ، آبرو کی قسم
دل میں زندہ ہے جو ، آرزو کی قسم

تیرے عزم و یقین کا یہ اعجاز ہے
ساری دنیا ہماری ہی دم ساز ہے
میرے خوابوں کو تعبیر تم سے ملی
ہم کو خوشیوں کی جاگیر تم سے ملی

آج دنیا میں اپنی اگر آن ہے
میری نسلوں پہ تیرا یہ احسان ہے

نو عمر قائداعظم

سلیم فرخی

ہر سال دسمبر کی پچیس تاریخ کو قائداعظم محمد علی جناح کا یوم پیدائش جوش و جذبے سے منایا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے قیمتی سال (۱۹۰۶ء سے ۱۹۴۷ء تک) مسلمانوں کی بہتری کے لیے وقف کر دیے اور بڑی جدوجہد کے بعد ہمیں ایک الگ ملک بنا کر دیا جہاں آج ہم آزادی کا سانس لے رہے ہیں۔

قائداعظم کے دادا پونجا میگھ جی (پونجا بھائی) کے ایک بیٹی اور تین بیٹے تھے، جن میں جینا بھائی (قائداعظم کے والد) سب سے چھوٹے تھے۔ یہ خاندان کاٹھیاواڑ کا رہنے والا تھا۔ جینا پونجا بھائی ۱۸۶۱ء کے لگ بھگ کراچی پہنچے تھے۔

پرانے زمانے میں کراچی ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ اس قصبے کے چاروں طرف اتنی چوڑی فصیل (چہار دیواری) تھی، جس پر دو بیل گاڑیاں آسانی سے چل سکتی تھیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد جنگلی جانوروں اور حملہ آوروں کے خوف سے فصیل کے دروازے بند کر دیے جاتے، لیکن اس سے پہلے نقارے بجائے جاتے، تاکہ جو لوگ آبادی سے باہر رہ گئے ہوں وہ واپس آ جائیں۔ جب آبادی بڑھ گئی (اس وقت انگریز برصغیر پر قابض ہو چکے تھے) تو انگریزوں نے فصیل گرا کر اس کی جگہ سڑکیں بنا دیں۔ چوں کہ فصیل دائرے کی شکل میں تھی، اس لیے سڑکیں بھی دائرے نما ہو گئیں۔ فصیل کے باہر جو سڑکیں بنائی گئیں، ان میں سے ایک چھاگلہ اسٹریٹ کہلائی، جو آج بھی موجود ہے۔ اسی چھاگلہ اسٹریٹ کے ایک مکان میں محمد علی جناح کی ولادت ہوئی۔

قائداعظم کی والدہ سکینہ شیریں موسیٰ کی شادی جینا پونجا سے ہوئی تو ان کی

خوب صورتی اور خوب سیرتی کا بڑا چرچا تھا۔ ایسی خواتین کو عام طور پر ''مِٹھی'' کہا کرتے تھے۔ اتفاق سے فارسی کا لفظ ''شیریں'' اسی لفظ کے ہم معنی تھا۔ پھر یہی عرفیت ان کا مستقل نام ہو گئی یعنی مِٹھی بائی۔ بائی کا لفظ معزز خواتین کے لیے استعمال ہوتا تھا، جیسے خاتون یا بیگم وغیرہ۔ یہی لفظ بی یا بی بی کی شکل میں بھی رائج ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح ۲۵۔ دسمبر ۱۸۷۶ء کو پیر کے دن صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ جناح پونجا کے پہلے بچے کی پیدائش پر سارے خاندان میں خوشی منائی گئی۔ بچے کو دیکھنے اور مبارک باد دینے کے لیے بے شمار لوگ آئے۔ عورتوں نے تو خاص نظر سے دیکھا کہ آنکھ، ناک کیسی ہے، ماں باپ پر گیا ہے یا خاندان کے کسی فرد سے شکل ملتی ہے۔ یہ بھی دیکھا کہ جسم پر کوئی تِل یا کوئی خاص نشان ہے یا نہیں، تاکہ شگون لیا جا سکے۔ غور سے دیکھنے پر پتا چلا کہ دائیں پیر کے تلوے پر ایک گول سا نشان ہے، جسے دیکھ کر لوگ خوشی سے چیخ پڑے:

''اللہ سلامت رکھے، یہ نشان خوش بختی کی علامت ہے۔ یہ بچہ بڑا ہو کر نامور شخصیت بنے گا۔''

خاندان میں پہلے بچے کی پیدائش کی خوشی تو تھی ہی، اب یہ نشان دیکھ کر ان کی مسرت میں اضافہ ہو گیا۔ اس وقت کسی کو گمان نہ تھا کہ یہ بچہ ملک و ملت کو غلامی کے شکنجے سے آزاد کرائے گا اور قائداعظم کے نام سے مشہور ہو گا۔ ایک مرتبہ بڑی عمر میں قائداعظم کی ایک بہن شیریں جناح نے یہ نشان دیکھنے کی خواہش کی تو انھوں نے کہا: ''شیریں! توہم پرستی میں نہ پڑو۔'' بہت زیادہ اصرار پر انھوں نے یہ نشان دکھا دیا۔

بچے کے کان میں اذان دی گئی۔ اسلامی احکام کے مطابق بچے کا عقیقہ ہوا اور اسی دن ان کا نام محمد علی رکھا گیا۔ یہ نام خاندانی روایت کے مطابق ان کے ماموں قاسم موسیٰ نے رکھا۔ محمد علی کے بعد ان کے سات بہن بھائی اور پیدا ہوئے۔

جناح پونجا نے بچوں کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی۔ کاربار کی مصروفیت کے علاوہ مشن اسکول میں استاد بھی تھے، لیکن انھوں نے محمد علی کو سندھ مدرستہ الاسلام میں داخل کرایا۔ وہ گھر پر اپنے بچوں کو قرآن شریف پڑھاتے تھے اور والدہ بچوں کو مذہبی، تاریخی کہانیاں سناتی تھیں۔

محمد علی جناح کا داخلہ ۴ جولائی ۱۸۸۷ء کو انگریزی زبان کی پہلی جماعت میں ہوا۔ اس سے پہلے وہ گجراتی کی چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ چند ماہ بعد ہی محمد علی جناح کو بمبئی جانا پڑا، جہاں ان کے ماموں قاسم موسیٰ رہتے تھے۔ وہیں جناح پونجا نے اپنا دفتر قائم کیا تھا۔ کاربار کے پھیلاؤ کی وجہ سے انھوں نے معلّمی کا کام چھوڑ دیا تھا۔ بمبئی میں بھی ان کا داخلہ انگریزی کی پہلی جماعت میں انجمن اسلام ہائی اسکول میں ہوا۔

ایک مرتبہ پھر انھیں بمبئی سے آنا پڑا۔ یہاں دوبارہ سندھ مدرستہ الاسلام ہی میں اسی درجے میں داخلہ لیا، جس کو وہ چھوڑ کر گئے تھے۔ اس اسکول میں انھوں نے تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ اس دوران جناح پونجا کو کاربار میں زبردست گھاٹا ہوا۔ محمد علی جناح بھی کاربار میں والد کی مدد کرتے تھے۔ اسکول سے ان کی طویل غیر حاضری کی وجہ سے ۵۔ جنوری ۱۸۹۱ء کو ان کا نام اسکول سے خارج کر دیا گیا۔ اس وقت وہ چوتھی جماعت میں تھے۔ اس کے بعد ۹۔ فروری کو دوبارہ ان کا داخلہ ہوا۔

ابھی وہ پانچویں جماعت میں تھے کہ والدہ کے حکم پر ان کو شادی کے لیے جام نگر جانا پڑا، جہاں ان کی شادی ''امر بائی'' سے ہوگئی۔ اس وقت محمد علی جناح کی عمر سولہ سال تھی اور امر بائی نو دس سال کی تھیں۔ شادی کے بعد وہ کراچی واپس آئے تو پانچویں جماعت کے امتحانات ختم ہو چکے تھے۔

جناح پونجا کے مشن اسکول کے پرانے دوستوں اور استادوں نے مشورہ دیا کہ بچے کو تعلیم کے لیے لندن بھیج دیا جائے، لیکن اس سے پہلے اسے چرچ مشن اسکول میں داخل کرایا جائے، تاکہ وہ انگریزی ماحول سے مانوس ہو جائے اور لندن کی فضا اجنبی محسوس نہ ہو۔ چناں چہ وہاں کے پرنسپل نے ان کا امتحان لے کر ۸ مئی ۱۸۹۲ء کو چھٹی جماعت میں داخلہ دے دیا۔ اس زمانے میں ساتویں جماعت میٹرک کے برابر تھی۔

انھوں نے ۳۱ اکتوبر ۱۸۹۲ء کو چھٹی کا امتحان دیے بغیر چرچ مشن ہائی اسکول چھوڑ دیا اور جنوری ۱۸۹۳ء کو لندن روانہ ہو گئے، جہاں وہ تعلیم کے ساتھ کسی حد تک کاروبار کی دیکھ بھال بھی کرتے تھے۔ محمد علی جناح کو ۲۹ اپریل ۱۸۹۶ء کو باقاعدہ وکالت کی سند ملی اور اسی سال وہ لندن سے واپس آ گئے۔ تقریباً اسی زمانے میں بمبئی میں طاعون کی وبا پھیلی، جس سے ان کی بیوی امر بائی کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت محمد علی جناح کی عمر صرف بیس سال تھی۔

۱۷۔ اپریل ۱۹۰۲ء میں محمد علی جناح کے والد کا انتقال ہوا۔ والدہ ۱۸۹۲ء میں وفات پا چکی تھیں۔ دو بھائی بندے علی اور بچو بچپن ہی میں انتقال کر چکے تھے۔ دو بہنوں رحمت بی اور مریم بی کی شادی ہو چکی تھی۔ اب ایک بھائی احمد علی دو بہنیں فاطمہ اور شیریں تھیں، جنھیں وہ بمبئی میں اپنے گھر لے آئے۔ فاطمہ کو باندرہ کونوینٹ اور احمد علی کو انجمن اسلام ہائی اسکول میں داخل کرایا۔ شیریں کی شادی قاسم علی جعفر سے کر دی۔ اس طرح انھوں نے اپنے گھریلو فرائض کو بھی بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

یہ نوعمر محمد علی غیر معمولی صلاحیت اور محنت کی بنا پر بڑے ہو کر قائد اعظم بنے اور بانی پاکستان اور بابائے ملت کہلائے۔

☆☆☆

پُراسرار جزیرہ

جاوید اقبال

ہم ایک ساحلی قہوہ خانے میں بیٹھے تھے۔ شدید سردیوں کی کُہر والی رات تھی۔ آتش دان میں آگ دہک رہی تھی۔ جلتی ہوئی لکڑیوں سے نیلا نیلا دھواں اُٹھ رہا تھا۔ آگ سے اُٹھنے والے آتشی رنگ ہمارے چہروں پر بھی رقصاں تھے۔

ہم سب ملاح تھے۔ کوئی جوان، کوئی بوڑھا، کوئی ادھیڑ عمر کا تھا۔ ساحل پر تین بحری جہاز لنگر انداز تھے، جنھیں اب تک اگلی منزل کی طرف چل دینا چاہیے تھا۔ ساحلی مزدوروں کی ہڑتال کی وجہ سے ہم یہاں پھنس گئے تھے، کیوں کہ جب تک مزدور جہازوں پہ لدا سامان نہ اُتاریں، ہمارا آگے جانا ممکن نہیں تھا۔ یوں ہمارا زیادہ وقت قہوہ خانوں میں داستانیں سنتے سناتے گزر رہا تھا۔ آج سب کی نگاہیں ایک بوڑھے ملاح پر جمی تھیں، جس کے خشک ہونٹ کوئی عجیب وغریب داستان کہنے کو مچل رہے تھے۔ ہم یہ داستان سننے کو بے تاب بیٹھے تھے۔

آخر بوڑھے ملاح نے ایک گہری نگاہ ہم سب پر ڈالی، قہوے کا آخری گھونٹ بھرا اور یادوں کی کڑیاں جوڑتے ہوئے بولا: ''وہ ایسی ہی تاریک، سرد اور کُہر آلود رات تھی۔ ہمارا جہاز سمندری طوفان میں گھر گیا تھا۔ طوفانی لہروں کے تھپیڑوں میں جہاز کسی کاغذ کی کشتی کی طرح ڈگمگا رہا تھا۔ جہاز کو بچانے کی ہماری سب تدبیریں ناکام ہوگئی تھیں۔ ہم جہاز کو چھوڑنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ زور کا کڑاکا ہوا اور جہاز درمیان سے دو ٹکڑے ہوگیا۔ بہت سے لوگ سمندر میں جا گرے۔ میں ڈوبتے جہاز کے ایک

ستون کا سہارا لیے کھڑا تھا، جو تیزی سے پانی کی تہ میں غرق ہو رہا تھا۔ میں نے قریب ہی پانی میں تیرتی اپنی بندوق جھپٹی، اتفاق سے ایک چپو بھی مل گیا۔ میں نے فوراً سمندر میں ایک کشتی پر چھلانگ لگا دی۔ عملے کے چند اور لوگ بھی ڈوبتے اُبھرتے کشتی پر پہنچے کشتی طوفانی لہروں کے رحم و کرم پر نامعلوم منزل کی طرف چل پڑی۔

زندگی اور موت کے اس سفر میں ایک رات اور ایک دن گزر گیا۔ بھوک سے ہمارا بُرا حال تھا۔ سمندر کا نمکین پانی پی پی کر ہمارے حلق میں کانٹے سے نکل آئے تھے۔ دوسری رات کا آخری پہر تھا۔ ہم زندگی سے مایوس ہو چکے تھے کہ ہمیں دھندلی سی درختوں کی پرچھائیں نظر آئی۔ ہماری اُمیدوں کے دیے ایک دم سے جگمگا اُٹھے۔ قریب پہنچے تو دیکھا سمندر کے بیچوں بیچ ایک جزیرہ تھا۔ جیسے ہی کشتی کنارے لگی، ہم چھلانگیں مار کر اُترے اور کشتی کو گھسیٹ کر خشکی پر لے گئے۔

ابھی ہم اندھیرے میں آس پاس کا جائزہ ہی لے رہے تھے کہ کچھ آہٹیں سنائی دیں، پھر کوئی چیز تیزی سے ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گئی۔ یہ ایک نیزہ تھا، جو ہم سے کچھ دور زمین میں پیوست ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی کسی نامعلوم زبان میں ایک نعرہ گونجا۔ ہم جلدی سے زمین پر لیٹ گئے۔ میں نے لیٹے لیٹے ہی آواز کی سمت گولی چلا دی۔ ایک چیخ فضا میں گونجی میں نے دوسری گولی چلائی، پھر تیسری ایک اور چیخ بلند ہوئی۔ کچھ بھاگتے قدموں کی آوازیں آئیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔ اسی وقت چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا ہم محتاط قدموں سے اس طرف بڑھے، جس طرف سے ہم پہ حملہ ہوا تھا۔ دیکھا تو وہاں چند قدموں کے نشان اور خون کے دھبوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ حملہ آور

اپنے زخمی ساتھیوں کو لے کر بھاگ گئے تھے۔

ہم آنے والے خطرے سے نپٹنے کے لیے اِدھر اُدھر کوئی محفوظ گوشہ تلاش کرنے لگے۔ اتنے میں اچانک نعروں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہمیں چاروں طرف سے وحشی جنگلیوں نے گھیر لیا۔ وہ سب نیزوں سے مسلح تھے اور وحشیانہ انداز میں نعرے لگا رہے تھے۔ ہمارے پاس سوائے پیچھے ہٹنے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک وحشی نے نیزے کی انی سے ہمیں اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ ہم سر جھکائے ان کے ساتھ چل پڑے۔ بندوق انھوں نے میرے ہاتھوں سے چھین لی تھی۔ کافی دور تک چلنے کے بعد ہم ایک کھلے میدان میں جا پہنچے، جہاں چھوٹی بڑی بہت سی جھونپڑیاں تھیں۔ ایک بڑی جھونپڑی کے سامنے ایک لمبے قد اور بھاری جسم کا آدمی کھڑا تھا۔ ہمیں لانے والوں نے اسے کچھ بتایا۔ اس نے غضب ناک نظروں سے ہماری طرف دیکھا اور

اپنی زبان میں اپنے ساتھیوں سے کچھ کہتا رہا، جس کا خلاصہ ہمارے ایک ساتھی نے، جو یہ زبان تھوڑی بہت سمجھتا تھا، بتایا کہ وہ دونوں جنگلی جو میری بندوق سے زخمی ہوئے تھے مر چکے ہیں۔

اب ہمارے مستقبل کا فیصلہ سردار صبح کرے گا۔ ہمارے ہاتھ جنگلی بیلوں سے باندھ کر ہمیں ایک جھونپڑی میں دھکیل دیا گیا۔ باہر نیزہ اُٹھائے پہرے دار موجود تھے۔ صبح ہوئی تو ہمیں کھانے کو کچھ پھل دیے گئے۔ تھوری دیر بعد ہمیں لے جا کر ایک کھلے میدان میں درختوں سے باندھ دیا گیا۔ ایک طرف آگ کا الاؤ روشن تھا۔ آگ کے گرد کچھ لوگ عجیب سے گیت گا رہے تھے۔ ہم سمجھے یہ الاؤ ہمیں جلانے کے لیے دہکایا گیا ہے، مگر پھر پتا چلا یہ ان مرنے والے جنگلیوں کی آخری رسوم ادا کی جارہی ہے۔

یہ رسوم ادا کرنے کے بعد چند جنگلی ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ ایک جنگلی ہم سے مخاطب ہوا اور کچھ کہا جس کا مطلب یہ تھا کہ چوں کہ ہم نے ان کے دو ساتھیوں کو مار ڈالا ہے، اس لیے اب ہم بھی مرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ سردار کے حکم سے کل دیوتاؤں کے حضور ہماری بھینٹ دی جائے گی۔

یہ سنتے ہی ہمارے قدموں تلے سے زمین نکل گئی اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے بیوی، بچوں، ماں باپ اور بہن بھائیوں کی تصویریں گھومنے لگیں۔ پھر ہمیں جھونپڑی میں بند کر دیا گیا۔

رات کو ہم نے فیصلہ کیا کہ مرنا تو ایک دن ضرور ہے۔ اپنے گلے کٹوانے اور شعلوں میں جل کر کوئلا بننے سے بہتر ہے کہ یہاں سے بھاگ نکلیں۔ ہم رات گہری ہونے

کا انتظار کرنے لگے، تاکہ پہرے دار جنگلی تھک کر سو جائیں یا اونگھنے لگیں تو ہم ان پہ قابو پا کر نکل بھاگیں۔

جانے رات کا کون سا پہر تھا کہ ہمیں اونگھ آنے لگی۔ ہم نے جاگنے کی بڑی کوشش کی، مگر سب ایک ایک کر کے سوتے چلے گئے پھر زوردار آندھی کے جھکڑوں سے ہماری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو نہ وہ جھونپڑیاں تھیں نہ وہ جنگلی، نہ درخت نہ جھاڑیاں۔ ریت کا کھلا میدان تھا، جہاں ہم پڑے تھے ہم نے پورا جزیرہ چھان مارا، مگر کوئی ایک جنگلی بھی کہیں چھپا ہوا نظر نہ آیا۔ جانے وہ سب کہاں غائب ہو گئے تھے۔ جانے ان کا کوئی وجود تھا بھی کہ نہیں یا وہ سب بھوت تھے۔ یہ خیال آتے ہی ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہم اپنی کشتی کی طرف بھاگے۔ خدا کا شکر ہے کشتی وہاں موجود تھی۔ ہم کشتی میں سوار ہو گئے اور کئی دن تک سمندر میں بھٹکتے رہے پھر ایک بحری جہاز والوں نے ہمیں دیکھ لیا اور یوں ہم مہذب دنیا میں پہنچنے میں کام یاب ہو گئے۔ ☆

تحریر بھیجنے والے نونہال یاد رکھیں

☆ اپنی کہانی یا مضمون صاف صاف لکھیں اور اس کے پہلے صفحے پر اپنا نام اور اپنے شہر یا گاؤں کا نام بھی صاف لکھیں۔ تحریر کے آخر میں اپنا نام پورا پتا اور فون نمبر بھی لکھیں۔ تحریر کے ہر صفحے پر نمبر بھی ضرور لکھا کریں۔

☆ بہت سے نونہال معلومات افزا اور بلاعنوان کہانی کے کوپن ایک ہی صفحے پر چپکا دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ایک کوپن ضائع ہو جاتا ہے۔

☆ معلومات افزا کے صرف جوابات لکھا کریں۔ پورے سوالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ☆

دو بھائی

کہانی : فرانس براؤن --------- ترجمہ : ناصر محمود فرہاد
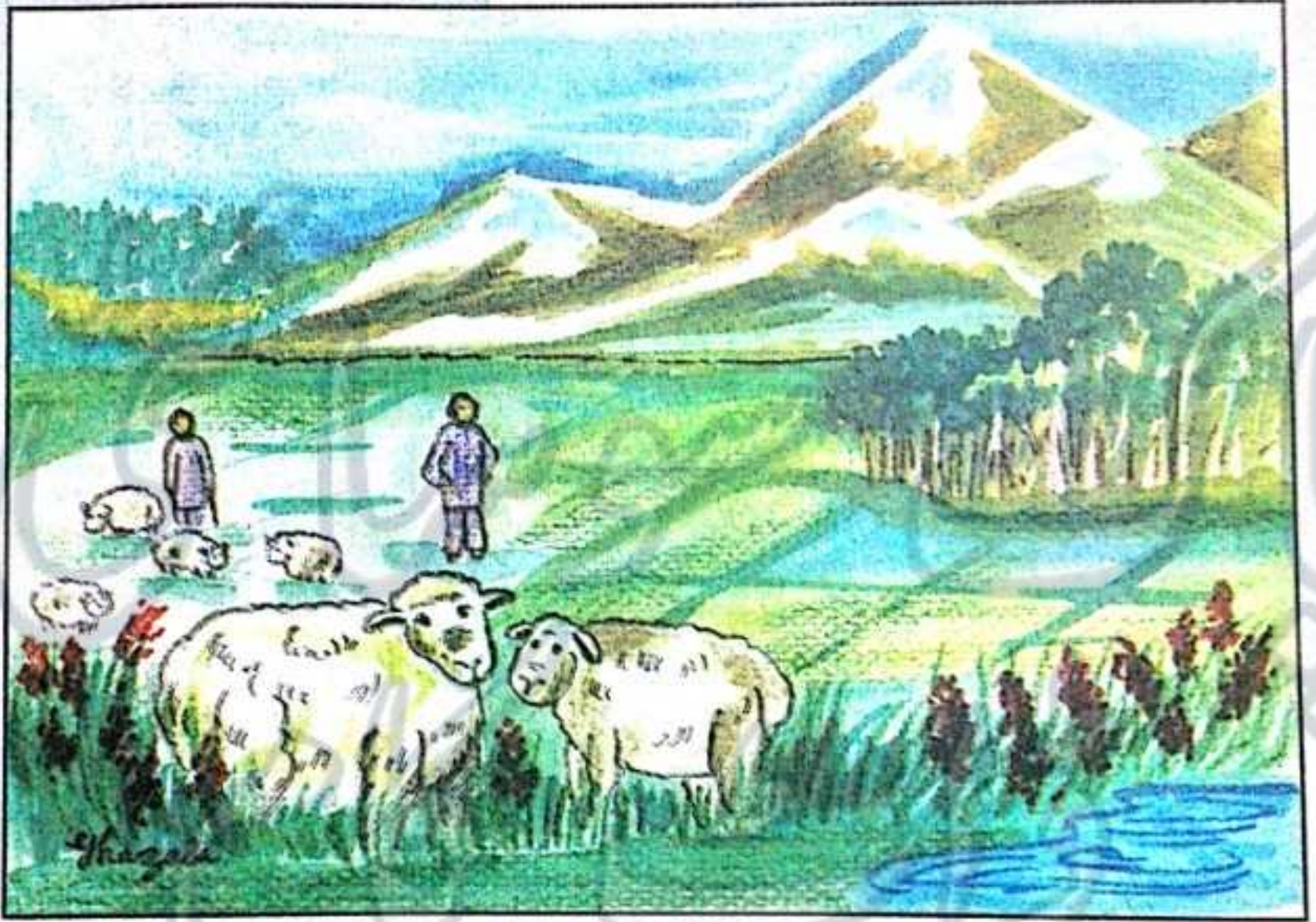
کسی گاؤں میں دو بھائی رہا کرتے تھے۔ وہ بھیڑیں پالتے تھے۔ ان کے گاؤں کے ایک طرف گھنا جنگل تھا اور دوسری جانب بلند و بالا پہاڑ تھے۔ اُن کے درمیان گھاس کا ایک بڑا میدان تھا۔ اس میدان میں چرواہوں کے سوا کوئی نہیں رہتا تھا۔ وہ گھاس پھونس کی بنی چھونپڑیوں میں رہتے اور دن بھر اپنی بھیڑوں کی حفاظت کرتے، اس لیے کبھی ان کی کوئی بھیڑ گُم نہیں ہوئی۔ خود وہ بھی پہاڑوں کے اُس پار یا جنگل میں، اندر

تک کبھی نہیں گئے۔

یہ دونوں بھائی تمام چرواہوں میں زیادہ ہوشیار اور محتاط تھے۔ ایک کا نام جابر اور دوسرے کا مہربان تھا۔ دونوں بھائیوں کے مزاج ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ جابر ہر وقت دولت حاصل کرنے اور منافع کمانے کی فکر میں رہتا، جب کہ مہربان ہمیشہ دوسروں کی مدد اور خدمت کو تیار رہتا۔ جابر نے اپنی اس لالچی طبیعت کی وجہ سے اپنے باپ کے مرنے کے بعد ساری بھیڑوں پر قبضہ کر لیا اور چھوٹے بھائی مہربان کو کچھ بھی نہ دیا، بلکہ اس کو ملازم کی طرح ساتھ رکھا، تاکہ وہ بھیڑوں کی رکھوالی کر سکے۔ اس کے بدلے میں اُس کو رہنے کی جگہ دے دی۔ مہربان صرف بھیڑوں کی خاطر اپنے بڑے بھائی

سے جھگڑا نہیں چاہتا تھا، لہٰذا وہ اس کی بات مان گیا۔ جابر نے باپ کی ہر چیز پر قبضہ کرلیا۔ دونوں بھائی اپنے باپ کے بنائے ہوئے جھونپڑے میں رہنے لگے، جو ایک بہت بڑے اور گھنے درخت کے نیچے بنایا گیا تھا۔ ان کی بھیڑیں سارا دن میدان میں گھاس چرتی رہتیں، پھر ایک دن جابر کے لالچ نے ایک مشکل صورتِ حال پیدا کر دی۔

گھاس کے اس میدان میں کوئی بازار نہیں تھا، جہاں خرید و فروخت ہوتی۔ وہ اپنی ساری ضروریات خود پوری کرتے۔ بھیڑوں کی اُون سے اپنا لباس تیار کرتے۔ ان کے دودھ سے مکھن اور پنیر حاصل کرتے۔ تہوار کے موقع پر کوئی بکری کا بچہ ذبح کرتے اور اس کا گوشت کھا لیتے۔ روٹی کے لیے گندم اُگا لیتے۔ سردیوں میں جلانے کے لیے لکڑی جنگل میں سے مل جاتی۔ بھیڑوں کی اُون کاٹنے کے موسم میں دُور دُور شہروں سے ہنر مند اور تاجر اُن کے گاؤں آکر تمام فالتو اُون خرید لیتے اور اس کے بدلے ان کو ضرورت کی چیزیں یا نقد رقم دے جاتے۔

اس موسم گرما میں بھی تاجر اور اُون کے خریدار وہاں آئے۔ ان کو جابر کی بھیڑوں کی اُون باقی چرواہوں کی نسبت زیادہ پسند آئی۔ انھوں نے اس کی رقم بھی زیادہ ادا کی۔ یہ دیکھ کر جابر لالچ میں آ گیا اور وہ سوچنے لگا کہ بھیڑوں سے زیادہ سے زیادہ اُون کیسے حاصل کرے؟ اُس موسمِ گرما میں بھی بھیڑوں پر اُون خوب آئی تھی۔ اُس نے اُون اس طرح اُتاری کہ بے چاری بھیڑوں کے جسم پر ایک بھی بال باقی نہ چھوڑا۔ مہربان کو یہ بات پسند نہ آئی، کیوں کہ اس طرح موسم سرما کے آنے تک بھیڑوں کے جسم پر اُتنی اُون نہ آپاتی کہ وہ ان کے جسم کو گرم رکھ سکے۔ اس بات پر دونوں بھائیوں میں اختلاف بھی

ہوگیا۔ جابر کا خیال تھا کہ اس طرح اُون کی کٹائی بھیڑوں کے لیے اچھی ہے۔ مہربان اپنے بھائی کو یہ بات سمجھا نہ سکا، اس لیے خاموش ہوگیا۔

موسمِ خزاں شروع ہو چکا تھا۔ شام کے وقت ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ لوگ گرم لباس پہننے لگے۔ اسی دوران میں ایک نئی مصیبت آن پڑی۔ جابر کے گلّے سے پہلے بکری کے بچے اور پھر بھیڑیں غائب ہونا شروع ہو گئیں۔ باوجود کوشش کے سُراغ نہ ملا تو جابر نے مہربان پر الزم لگا دیا کہ اس کی غفلت سے بھیڑیں گُم ہوئی ہیں۔

بھیڑیں مسلسل غائب ہوتی رہیں اور مہربان ان کی تلاش میں ہلکان ہوتا رہا۔ جابر کی پریشانی بڑھتی چلی گئی۔ دوسرے چرواہے اس پر کوئی ترس نہ کھاتے، کیوں کہ ان کو جابر کا بے جا لالچ اور غرور اچھا نہ لگتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ درحقیقت ''غرور کا سر نیچا'' والی بات ہے۔ اُن میں زیادہ تر یہی سمجھتے تھے کہ جابر کی قسمت خراب ہے۔ وہ لوگ اپنی بھیڑوں کی اُون کو اتنی گہرائی سے نہ کاٹتے جس قدر کہ جابر کاٹتا تھا۔ جابر کا گلّہ روز بروز چھوٹا ہوتا گیا۔ بھیڑوں کے گُم ہونے کا سلسلہ اب تک جاری تھا۔

اگلے موسمِ بہار تک جابر کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچا، سوائے تین بوڑھی بھیڑوں کے جو سُست اور کاہل تھیں۔ ایک شام جابر اُن بھیڑوں کو دیکھتے ہوئے حسبِ معمول معنی خیز انداز میں مہربان سے کہنے لگا: ''بھائی! دیکھ رہے ہو، بھیڑوں پر کافی اُون آ چکی ہے۔'' اس کے لہجے میں اب بھی لالچ جھلک رہا تھا۔

مہربان فکر مند تھا، لیکن پھر بھی نرم لہجے میں کہا: ''مگر اُون بہت چھوٹی ہے۔ بے چاری بوڑھی بھیڑوں کا جسم گرم رکھنے کے لیے ناکافی ہے۔ ٹھنڈی ہوا چلے گی تو ان کو سردی لگے گی۔''

جابر نے اسی ڈھٹائی اور خودسری سے، جو اس کی عادت کا حصہ بن چکی تھی، یہ بات سُنی اَن سُنی کر دی۔ وہ چپ چاپ اُٹھا اور جھونپڑی سے اون کاٹنے کے اوزار لینے چلا گیا۔ مہربان اپنے بھائی کی ہٹ دھرمی پر بہت افسردہ تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں بلند پہاڑوں کو دیکھنے لگا، جس سے اُسے کچھ سکون محسوس ہوا۔ بھیڑوں کی گمشدگی سے وہ بہت فکرمند رہنے لگا۔ اُسے بھیڑوں سے لگاؤ بھی بہت تھا۔ اس کا بھائی جابر اُون کاٹنے کا سامان لے کر جھونپڑی سے باہر آیا اور مہربان کو ساتھ لے کر بھیڑوں کی طرف چل دیا، مگر وہاں تو اب کچھ بھی نہ تھا، وہ تینوں بوڑھی بھیڑیں بھی غائب ہو چکی تھیں۔

''بھیڑیں کہاں گئیں۔'' جابر چلا اُٹھا۔

''ذرا نظر ہٹی اور وہ تینوں غائب ہو گئیں۔'' مہربان کی اس بات پر جابر غصے میں آ گیا اور بھائی کو مارنے دوڑا کہ باقی بھیڑیں بھی مہربان ہی کی غفلت سے گُم ہوئی ہیں۔ اب اُن کے پاس ایک بھی بھیڑ باقی نہ بچی تھی۔ وہ بالکل قلاش ہو چکے تھے۔ آہستہ آہستہ جمع پونجی اور کھانے پینے کی چیزیں بھی جو گھر میں تھیں ختم ہو گئیں۔ چند دوسرے چرواہوں نے ان کی تھوڑی بہت مدد کی، مگر وہ بھی کب تک کرتے۔

ایک دن جابر، مہربان سے کہنے لگا: ''اگر تم میرے ساتھ آؤ اور میری بات مانو تو ہم کہیں اور جا کر کام تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب یہاں کوئی ہماری مدد نہیں کرے گا۔ میں نے اپنے باپ سے سنا تھا کہ ان پہاڑوں کے پیچھے بہت امیر چرواہے رہتے ہیں۔ آؤ ہم ان کے پاس چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ہمیں کوئی کام دے دیں۔''

مہربان اپنا گاؤں چھوڑ کر کہیں جانا نہیں چاہتا تھا، مگر بھائی کو منع بھی نہ کر سکا اور اس کے

ساتھ چلنے کو آمادہ ہو گیا۔ دوسری صبح جابر نے اپنا مختصر سا سامان اُٹھایا۔ مہربان کے پاس سوائے لباس کے کچھ نہ تھا۔ دونوں قسمت آزمائی کے لیے پہاڑوں کی طرف چل دیے۔ جس کسی نے بھی اُنھیں اُس طرف جاتے دیکھا، وہ یہی سمجھا کہ دونوں پاگل ہو گئے ہیں، کیوں کہ چرواہوں کی کئی پشتوں میں سے کوئی بھی پہاڑوں کے اُس پار نہیں گیا تھا۔

آخر وہ دونوں پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ راستہ دشوار اور خطرناک تھا۔ دوپہر تک وہ ایک پتھریلی چٹان پر پہنچ گئے۔ مسلسل چڑھائی سے ان کے پاؤں دُکھ رہے تھے۔ دونوں وہاں سستانے کے لیے رُک گئے۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ انھیں پہاڑ کی دوسری طرف سے بانسری کی آواز سنائی دی، جو اس قدر دِل کش اور پُر تاثیر تھی کہ انھوں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے اور بے اختیار ہو کر اس سمت میں بڑھتے چلے گئے۔ سورج ڈوبنے تک وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ وہاں ان کو ایک بہت وسیع ہموار جگہ نظر آئی، جہاں گھاس کے بیچ رنگا رنگ پھول اُگے ہوئے تھے۔ وہاں برف جیسی سفید اور صحت مند بھیڑیں چر رہی تھیں۔ ان کے پاس ایک بوڑھا آدمی بیٹھا بانسری بجا رہا تھا۔ اس نے لمبا سا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے سفید بال شانوں تک لہرا رہے تھے اور دودھ کی طرح سفید داڑھی پیٹ تک بڑھی ہوئی تھی۔ پہلی ہی نظر میں انھیں بوڑھے کی شخصیت بہت متاثر کن لگی۔

جابر، بوڑھے کو دیکھتے ہی ڈر کے مارے چھوٹے بھائی مہربان کے پیچھے چھپ گیا، مگر مہربان نے اَدب سے اُسے مخاطب کیا: ''محترم بزرگ! یہ کون سی سرزمین ہے؟ میں اور میرا بھائی دونوں چرواہے ہیں اور کام کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ کیا ہماری یہ آرزو

پوری ہو سکتی ہے؟ ہم آپ کی بھیڑوں کی اچھی حفاظت کر سکتے ہیں۔''

''میری کبھی کوئی بھیڑ گم نہیں ہوئی۔ ان کی بہتر حفاظت میں خود کر سکتا ہوں، پھر بھی میں تمھیں کام ضرور دوں گا۔ کیا تم اُون کاٹ سکتے ہو؟'' بزرگ نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

''محترم بزرگ! میں اُون بہت بہتر طریقے سے کاٹ سکتا ہوں۔'' جابر ہمت کر کے بولنے لگا: ''میں بھیڑوں کو بالکل گنجا کرنے کا ہنر جانتا ہوں۔''

''تم میرے کام کے آدمی ہو۔'' بوڑھا بولا: ''رات کو جب چاند نکلے گا تو میں ریوڑ کو اِکٹھا کروں گا اور تم ان کی اُون کاٹ لینا۔ تب تک تم دونوں آرام کرو، میں تمھیں کھانا کھلاتا ہوں۔''

جابر اور مہربان خوش خوش وہاں بیٹھ گئے۔ سامان ایک طرف رکھ دیا۔ بوڑھے نے انھیں گرماگرم لذیذ کھانا کھلایا اور پینے کو ٹھنڈا پانی دیا۔ جابر سوچ رہا تھا کہ رات کو وہ اپنی اُون کاٹنے کی عمدہ مہارت دکھائے گا۔

جب سورج ڈوب گیا اور چاند نکل آیا تو ساری بھیڑیں اِکٹھی ہو گئیں اور سر جھکا کر ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔ بوڑھے نے اپنی بانسری اُٹھائی اور ایک عجیب سی دُھن بجانا شروع کر دی۔ دُھن سنتے ہی ایک دم وہاں نوکیلے دانتوں والے خونخوار بھیڑیوں کا ایک گروہ اِکٹھا ہو گیا۔ ان کے جسم پر لمبے لمبے بال تھے۔ آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے اور ان کے حلق سے خوف ناک غراہٹیں اُبھر رہی تھیں۔ جابر انھیں دیکھتے ہی تھر تھر کانپنے لگا۔

”آگے بڑھو اور اس ریوڑ کی اُون کاٹو۔ ان کے بال کافی لمبے ہو گئے ہیں۔“

سفید ریش بزرگ بولے۔

بھیڑیوں کو دیکھ کر جابر سخت خوف زدہ ہو گیا تھا، مگر پھر بھی وہ بوڑھے کے حکم پر لرزتے قدموں سے آگے بڑھا، مگر جیسے ہی وہ ان کے قریب پہنچا، سب سے آگے والے بھیڑیے نے اپنے خوف ناک دانت نکالے تو۔ جابر نے ڈر کر اپنے ہتھیار دور پھینکے اور بوڑھے کے پیچھے جا چھپا۔

”محترم بزرگ! میں نے کبھی بھیڑیوں کے بال نہیں کاٹے، ہمیشہ بھیڑوں کے کاٹے ہیں۔“ وہ گڑگڑایا۔

”مگر اب تمھیں کاٹنا پڑیں گے۔“ بوڑھا عجیب سے لہجے میں بولا: ”ان کے بال کاٹو یا پھر واپس چلے جاؤ، اس صورت میں یہ بھی تمھارے پیچھے آئیں گے اور تم جس بھیڑ کے بال کاٹو گے یہ اُسے کھا جائیں گے۔“

یہ سن کر جابر رونے لگا، معافی مانگنے لگا، اپنی اور اپنے بھائی کی قسمت کو کوسنے لگا۔

مہربان نے یہ سب دیکھ کر ہمت کی اور اوزار اُٹھا کر دھیرے دھیرے بھیڑیوں کی طرف بڑھا۔ اس کے قدم لرز رہے تھے اور وہ کانپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ قریبی بھیڑیے تک پہنچا۔ اب بھیڑیا بالکل بھی نہ غرایا اور خاموش کھڑا رہا۔ مہربان نے نہایت مہارت اور تیزی سے اس کے بال کاٹے۔ ایک کے بعد دوسرا بھیڑیا خود ہی آگے آتا گیا اور خاموشی سے بال کٹواتا گیا۔ جب سارے بھیڑیوں کے بال کٹ گئے تو سفید ریش بزرگ نے اس سے کہا: ”تم نے اپنا کام نہایت عمدگی سے کیا ہے۔ تمھارے اس کام کی

اُجرت کے بدلے تم ساری اُون اور پُورا ریوڑ لے کر واپس اپنے گھر چلے جاؤ اور اپنے اس حریص بھائی کو اپنے ملازم کے طور پر ساتھ رکھ لو۔''

مہربان بھیڑیوں کے اس ریوڑ کو اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا، مگر اس سے پہلے کہ کوئی جواب دیتا، یہ سارے بھیڑیے ایک دم بھیڑوں میں بدل گئے۔ اُس نے دیکھا کہ یہ سب اُن کی وہی بھیڑیں تھیں، جو گم ہو گئی تھیں۔ اس وقت وہ خوب ہٹی کٹی تھیں اور اُن کے قریب بھیڑیوں کے بالوں کی بجائے اُون کا ڈھیر پڑا تھا۔ جابر نے لپک کر اُس اُون کو اپنے تھیلے میں بھر لیا۔

بوڑھا بولا: ''اپنے اس ریوڑ کے ساتھ صبح ہونے سے پہلے یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ پریوں کا دیس ہے۔ یہ جادو کی سرزمین ہے۔ یہاں کی صبح کسی انسان نے نہیں دیکھی، جس نے دیکھی وہ زندہ نہیں بچا۔''

یہ سن کر دونوں بھائی فوراً وہاں سے پلٹے اور خوشی خوشی گھر واپس چل پڑے۔ گاؤں کے سارے چرواہے ان کی کہانی سن کر حیران رہ گئے۔ اب مہربان خود ہی بھیڑوں کی اُون کاٹتا ہے اور جابر نے بھی اپنا لالچ چھوڑ دیا ہے۔ دونوں بھائی خوش و خرم اپنے گھر میں رہتے ہیں۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تا کہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔ hfp@hamdardfoundation.org

محنت کا پھل

ضیاء الحسن ضیا

پھیری والا گلی میں آیا ہے
کھانے پینے کی چیزیں لایا ہے
اپنے ٹھیلے کو ہے سجائے ہوئے
اور جالی سے ہے چھپائے ہوئے

دال لایا مسالے والی ہے
اک بھری لڈوؤں سے تھالی ہے
دہی بڑے کی چاٹ کیا کہیے
کھانے والوں کے ٹھاٹ کیا کہیے

پُھلکیاں بھی ہیں ، آلو چھولے بھی
اور ہیں سونٹھ کے بتاشے بھی
ننّھے مُنّوں نے اس کو گھیرا ہے
اچھی آوازیں یہ لگاتا ہے

چیزیں ساری ہی صاف سُتھری ہیں
اس لیے خوب خوب بکتی ہیں
کتنی محنت سے یہ کماتا ہے
تب کہیں جا کے روٹی کھاتا ہے

ٹھیلے والے سے تم سبق سیکھو
خوب محنت کیا کرو بچّو!

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

غلام بچہ

شاعر : خواجہ عابد نظامی

پسند : شمسہ کنول، جگہ نا معلوم

غلام ایک بچہ ، نہایت غریب
نہ تھا جس کو دو وقت کھانا نصیب
بہت اُس پہ ڈھاتا تھا مالک ستم
ستم اس کے جتنے کہیں ، وہ ہیں کم
غلام ایک دن سخت بیمار تھا
کہ مالک نے یہ حکم اس کو دیا
یہ گندم کی بوری اُٹھا ، پیس ابھی
میں ورنہ اُدھیڑوں گا چمڑی تری
وہ بچہ تھا تکلیف میں مبتلا
مگر کام مالک کا کرتا رہا
ہوئی جب ہمارے نبیؐ کو خبر
تو فوراً آ گئے آپؐ ظالم کے گھر
وہاں جا کے دیکھا کہ ننھا غلام
تھا رو رو کے نمٹا رہا اپنا کام
یہ دیکھا تو پیارے نبیؐ نے کہا
مرے اچھے بیٹے! نہ غم کر ذرا
تُو اُٹھ ، تیرا یہ کام کرتے ہیں ہم
مصیبت جو ہے تیری ، بھرتے ہیں ہم
یہ فرما کے وہ کُل جہاں کے امام
بصد شوق کرنے لگے اس کا کام
وہ گندم تمام اس کی خود پیس دی
جو مشکل تھی بھاری ، وہ آسان کی
کہا پھر یہ بچے سے سرکارؐ نے
خدا کی خدائی کے مختار نے
اگر پھر کبھی کام ایسا ملے
بلا لینا مجھ کو مدد کے لیے
یہ سن کر پکارا وہ ننھا غلام
محمدؐ پہ لاکھوں درود و سلام

حضرت عمر فاروق ؓ کا نظامِ حکومت

مرسلہ : وجاہت اللہ خان، کراچی

حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے دورِ حکومت میں ریاست میں بہت سے عمدہ کاموں کی ابتدا کی۔

☆ نمازِ فجر میں ''الصلوٰۃ خیر مّن النوم'' کا اضافہ کیا۔

☆ رمضان میں نمازِ تراویح کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔

☆ شراب نوشی کی سزا مقرر کی۔

☆ سنہ ہجری کا آغاز کیا۔

☆ جیل کا تصور دیا۔

☆ مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

☆ مسجدوں میں روشنی کا بندوبست کیا۔

☆ پولیس کا محکمہ بنایا۔

☆ ایک مکمل عدالتی نظام کی بنیاد رکھی۔

☆ آب پاشی کا نظام قائم کرایا۔

☆ فوجی چھاؤنیاں بنوائیں۔

☆ فوج کا محکمہ قائم کیا۔

☆ دنیا میں پہلی بار دودھ پیتے بچوں، معذوروں، بیواؤں اور بے آسراؤں کے وظیفے مقرر کیے۔

☆ دنیا میں پہلی بار حکمرانوں، سرکاری عہدے داروں اور والیوں کے اثاثے ظاہر کرنے کا حکم دیا۔

☆ بے انصافی کرنے والے ججوں کو سزا دینے کا سلسلہ شروع کیا۔

☆ پہلی بار سرکاری عہدے داروں کی جواب طلبی شروع کی۔

اس کے علاوہ راتوں کو تجارتی قافلوں کی نگرانی کرتے تھے۔ ۲۲ لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح کیا۔ ایران اور روم کو فتح کیا۔

زیب نہیں دیتا

مرسلہ : محمد منیر نواز، ناظم آباد

محترمہ فاطمہ جناح کا کہنا تھا کہ قائداعظم جب گورنر جنرل بنے تو ان کی کھانے کی میز پر دو سے زیادہ کھانے نظر نہیں آئے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے: ''جب میرے لاکھوں ہم وطنوں کو ایک وقت کا کھانا بھی مشکل سے ملتا ہے تو پھر مجھے طرح طرح کے کھانے پکوانا اور کھانا زیب نہیں دیتا۔''

قائداعظم کے چند اہم واقعات

مرسلہ : محمد اسامہ انصاری، حیدر آباد

☆ قائداعظم نے ۲۳ اپریل ۱۹۴۸ء کو پاکستان کے قومی کھیلوں کا افتتاح کیا۔

☆ حکومتِ پاکستان نے ۱۹۷۶ء کو ''قائداعظم کا سال'' قرار دیا۔

☆ قائداعظم کے خصوصی جہاز کا نام ''وائلِ کنگ'' تھا۔

☆ بحیثیت گورنر جنرل قائداعظم صرف ایک روپیا ماہانہ تنخواہ لیا کرتے تھے۔

☆ قائداعظم پاکستان کے پہلے چیف اسکاؤٹ تھے۔ انھوں نے یہ ذمے داری ۲۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو قبول کی۔

☆ سرکاری طور پر پاکستان میں قائداعظم کا سوگ چالیس دن تک منایا گیا۔

☆ قائداعظم کے مزار کا سنگِ بنیاد ۸ فروری ۱۹۶۰ء کو صدر ایوب نے رکھا۔

☆ قائداعظم کے مقبرے کا نقشہ یحیٰی مرچنٹ نے بنایا، جن کا تعلق ترکی سے تھا۔

☆ مزارِ قائد کے لیے موجودہ جگہ کا انتخاب اس وقت کے کمشنر کراچی سید ہاشم رضا نے کیا۔

☆ مزارِ قائد کے لیے خوب صورت فانوس چین کے وزیراعظم چو۔ این۔ لائی نے ۳۰ جنوری ۱۹۷۰ء کو تحفے میں پیش کیا۔

☆ ۲۳ جنوری ۱۹۴۸ء کو قائداعظم نے پاکستان کے پہلے بحری جہاز ''دلاور'' کا افتتاح کیا۔

پھٹا پُرانا جوتا

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

کسی صاحب نے سر سید احمد خاں کی توہین کرنے کے لیے انھیں ایک پھٹا پُرانا جوتا بھیجا۔ سر سید نے انھیں جواب دیا: ''جوتے کی مرمت پر دو آنے خرچ ہوئے اور چھے آنے میں جوتا فروخت ہو گیا، لہٰذا چار آنے کی رسید حاضر ہے۔''

خواہش

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

ایک امیر آدمی یونانی فلسفی سقراط کا شاگرد تھا۔ ایک دن اس نے فخریہ انداز میں

سقراط سے کہا: ''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ میری ہر خواہش پوری کر دیتا ہے۔''

سقراط نے جواب دیا: ''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری کوئی خواہش ہی نہیں ہے۔''

کتب خانہ

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

☆ ایک بزرگ منجم ابو معشر خراسان سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے بغداد کے کتب خانے ''خزانۃ الحکمت'' کو دیکھنے کے لیے رُکے۔ مطالعے میں اس قدر محو ہوئے کہ مکہ معظمہ جانا ہی بھول گئے۔

☆ بنو اُمیہ کے خلیفہ ''حکم ثانی'' کے کتب خانے میں ہزاروں کتابیں تھیں۔ بہت کم ایسی تھیں، جن کو انھوں نے نہ پڑھا ہو۔ اکثر پر ان کی حواشی موجود تھے۔ کثرت مطالعہ سے بینائی کمزور ہوگئی، پھر بھی مطالعہ جاری رکھا۔ صدیوں بعد بھی ان کی ذہانت اور مطالعے کی وسعت کی تعریف کی جاتی ہے۔

☆ بصرے کے عالم جاحظ آخر عمر میں مفلوج ہو گئے۔ چاروں طرف کتب بکھری رہتیں، جن کے مطالعے میں وہ غرق رہتے۔ ایک روز اونچائی پر رکھی کتابیں ان کے اوپر گر پڑیں اور وہ ان کے نیچے دب کر مر گئے۔

حکایت سعدی

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

ایران کا مشہور بادشاہ نوشیرواں ایک مرتبہ شکار کے لیے گیا۔ جب شکار گاہ میں کھانا تیار کیا جانے لگا تو پتا چلا کہ نمک نہیں ہے۔ نوشیرواں کو علم ہوا تو اس نے قریبی آبادی سے قیمت ادا کر کے نمک لانے کا حکم دیا۔

غلام نے عرض کیا: ''عالم پناہ! نمک اتنا قیمتی نہیں ہوتا۔ کسی سے مفت لے لوں گا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

نوشیرواں نے ڈانٹ کر کہا: ''تمھیں جس طرح کہا جا رہا ہے، اس پر عمل کرو۔ ایک بات ہمیشہ یاد رکھو ہر بُرائی شروع میں معمولی ہوتی ہے، لیکن آہستہ آہستہ اتنی بڑی ہو جاتی ہے کہ ہم اسے روک نہیں سکتے۔'' ☆

میرے والد

قرۃ العین عباس العزم

میرے والدِ گرامی محمد عباس العزم شاعر، ادیب ہونے کے علاوہ تعلیم کے شعبے کی ممتاز شخصیت تھے۔ وہ علمی وادبی حلقوں میں عباس العزم کے نام سے معروف تھے۔ بچوں کے ادب کی بھی ایک جانی پہچانی شخصیت تھے۔ میرے والد ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جن کی نگاہ زندگی کے ہر پہلو پر رہتی تھی۔

''علم'' ان کی زندگی کا ایک خاص مقصد تھا۔ علم کے حصول اور اُسے دوسروں تک پہنچانے کے لیے وہ ہمیشہ سب سے آگے رہے۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی پڑھنے اور پڑھانے میں گزاری۔ ان کے نزدیک دنیا میں سب سے بڑی دولت علم ہی کی دولت تھی۔ علمی تحقیق چاہے وہ قرآن پاک کے بارے میں ہو یا تاریخ سے متعلق ہو یا پھر الفاظ کی بنیاد کی تلاش ہو۔ وہ مسلسل کھوج میں لگے رہتے تھے۔

میرے والد عباس العزم صاحب نے بچوں کے لیے بہت پیاری پیاری نظمیں لکھیں۔ جن میں بہت خوب صورتی سے بچوں کے لیے کوئی نہ کوئی نصیحت بھی کرتے تھے۔ اپنے طالب علموں سے وہ بہت محبت کرتے تھے۔ ''آوازِ معلّم'' نوجوانوں کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے، جس میں بہت سادہ اور آسان الفاظ میں انھوں نے زندگی کے ہر پہلو پر پڑھنے والوں کو سیدھی اور بہترین راہ دکھائی ہے۔

آج یہ چند سطریں تحریر کرتے ہوئے ان کی شفیق و مہربان شخصیت میری نگاہوں میں گھوم رہی ہے۔ میرے والد صاحب کی شخصیت نہایت پُر وقار اور بہت رُعب و دبدبے

والی تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی اپنے بنائے ہوئے اصولوں کے تحت گزاری، جن میں وقت کی پابندی، سچائی، ایمان داری اور لوگوں کے ساتھ پُر خلوص اور بہترین تعلقات بہت اہم تھے۔ ان کے تمام دوست احباب ان کو آج بھی نہایت اچھے لفظوں میں یاد کرتے ہیں۔

مجھے اپنے والد کی بے شمار خوبیوں اور علم و ادب کے لیے ان کی خدمات پر بہت فخر ہے۔ ان کی باتیں، ان کے الفاظ ہر قدم پر میری اور میرے بچوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ آج ان سے بچھڑنے کے بعد ان کے لیے بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں، مگر اپنے والد کی طرح الفاظ کو خوب صورتی سے ترتیب دینا مجھے نہیں آتا ہے۔ لہٰذا سادہ الفاظ میں فقط اتنا ہی کہوں گی کہ ''ہم سب آپ کو بہت یاد کرتے ہیں، آپ پر فخر کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا کرے۔'' (آمین)

☆

تحریر بھیجنے والے نونہال یاد رکھیں

☆ اپنی کہانی یا مضمون صاف صاف لکھیں اور اس کے پہلے صفحے پر اپنا نام اور اپنے شہر یا گاؤں کا نام بھی صاف لکھیں۔ تحریر کے آخر میں اپنا نام پورا پتا اور فون نمبر بھی لکھیں۔ تحریر کے ہر صفحے پر نمبر بھی ضرور لکھا کریں۔

☆ بہت سے نونہال معلومات افزا اور بلاعنوان کہانی کے کوپن ایک ہی صفحے پر چپکا دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ایک کوپن ضائع ہو جاتا ہے۔

☆ معلومات افزا کے صرف جوابات لکھا کریں۔ پورے سوالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ☆

بیت بازی

دلِ ناداں! ذرا محتاط رہنا
محبت بھی تجارت ہوگئی ہے

شاعر: عبدالحمید عدم — پسند: صدف عدنان، ملتان

یہاں کسی سے اُمیدِ وفا نہ رکھ کوثر
یہی سمجھ لے کہ یہ دَور پتھروں کا ہے

شاعر: مولانا کوثر نیازی — پسند: فاطمہ رحیم، دادو

کوئی اس دور میں وہ آئینے تقسیم کرے
جن میں باطن بھی نظر آتا ہو، ظاہر کی طرح

شاعر: احسان دانش — پسند: نیلوفر کاظم، لاہور

دولتِ درد کو دنیا سے چھپا کر رکھنا
آنکھ میں بوند نہ ہو، دل میں سمندر رکھنا

شاعر: احمد فراز — پسند: عابد عباس، سکھر

اُٹھو، وگر نہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

شاعر: جسٹس ہمایوں — پسند: شائلہ ذی شان، ملیر

خوشبو تو مدتوں کی زمیں دوز ہوچکی
اب صرف پتیوں کو ہوا میں اُچھالیے

شاعر: قتیل شفائی — پسند: زین الدین، میرپور خاص

چُنے ساحل سے پتھر تُو نے، ورنہ
صدف تھے بحر کی گہرائیوں میں

شاعر: مظفر وارثی — پسند: احمد داؤد، کوئٹہ

وہ بچپنے کی نیند تو اب خواب ہوگئی
کیا عمر تھی کہ رات ہوئی اور سوگئے

شاعرہ: پروین شاکر — پسند: رافع اکرم، لیاقت آباد

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

شاعر: مولانا ظفر علی خان — پسند: اختر حسین، سرجانی ٹاؤن

آواز دے کے خود کو بلانا پڑا مجھے
اپنی مدد کو آپ ہی آنا پڑا مجھے

شاعر: منیر یوسفی — پسند: محمد فراز نواز، ناظم آباد

ڈالے گئے اس واسطے پتھر مرے آگے
ٹھوکر سے اگر ہوش سنبھل جائے تو اچھا

شاعر: مرتضیٰ برلاس — پسند: عاقب خان جدون، ایبٹ آباد

خوش رہنے سے روگ نہیں لگتا جی کو
کہہ گئے بوڑھے کام کی باتیں، کیا میں کہوں

شاعر: خلیل رام پوری — پسند: علی حیدر لاشاری، لاکھڑا

ایک بھی آنسو نہ نکلا وقت پر
اعتبارِ چشمِ پُرنم کیا کریں

شاعر: شاکر میرٹھی — پسند: عائشہ رحمٰن، بہاول پور

میں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
پتّا گرا تو درسِ فنا دے گیا مجھے

شاعر: حسین سحر — پسند: وقار احمد، کورنگی

مزدور

محمد شفیق اعوان

ایک تھا بچّو! مزدور
بے کس اور مجبور
محنت ہر دم کرتا وہ
اپنے رب سے ڈرتا وہ
ماں تھی اس کی بیمار
باپ تھا چلنے سے لاچار
رہتا پھر بھی وہ مسرور
خدمت ان کی کرتا ضرور
دن بھر کی مزدوری سے
تھکن سے ہوجاتا وہ چُور
کام کے جتنے پیسے ملتے
سودا لیتا گھر کے لیے
دیکھ کے خوش ہوجاتے سب
مل جل کر وہ کھاتے سب
کبھی نہ شکوہ رب سے کرتا
غربت میں وہ خوش رہتا

سب سے قیمتی چونچ

ع۔ر

''ہیلمیٹڈ ہارن بل'' (HELMETED HORNBILL) ایک ایسا عجیب و غریب پرندہ ہے، جس کی چونچ ہاتھی دانت سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ مشرقی ایشیا میں یہ پرندہ انڈونیشیا اور ملائیشیا کے جنگلات میں پایا جاتا ہے۔ اس کی چونچ غیر معمولی طور پر بڑی اور سینگ کی طرح نوکیلی اور اُبھری ہوئی ہوتی ہے۔ اپنی غیر معمولی بھاری چونچ سے یہ پرندہ سخت زمین کو کھود کر کیڑوں کا شکار کرتا ہے۔ کیڑے مکوڑوں کے علاوہ مختلف پھل بھی اس کی خوراک میں شامل ہیں۔ اس پرندے کا وزن اوسطاً تین کلو ہوتا ہے، جب کہ چونچ تین سو گرام تک وزنی ہوتی ہے۔ پَروں کا پھیلاؤ دو میٹر یعنی ساڑھے چھے فیٹ تک ہوتا ہے۔

ان پرندوں کی ایک کلو چونچیں ۶۰۰۰ (چھے ہزار) امریکی ڈالر میں فروخت ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک کلو ہاتھی دانت کی قیمت دو ہزار ڈالر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پرندے کا غیر قانونی شکار بڑھتا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے اس کی نسل مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

شکاری ان کے سر کاٹ کر اسمگلروں کو فروخت کر دیتے ہیں، جو انھیں ایسے ملک میں اسمگل کر دیتے ہیں، جہاں ان کی مانگ ہوتی ہے۔ عام طور پر انھیں دستکاری کے ذریعے سے سجاوٹ کی چیزیں بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ دستکاری کے یہ نمونے انتہائی مہنگے داموں میں فروخت ہوتے ہیں۔

ہاتھی اور گینڈے کے غیر قانونی شکار کی روک تھام کے لیے عالمی سطح پر آواز اُٹھائی جا رہی ہے اور مختلف اقدامات بھی کیے جا رہے ہیں، مگر اس پرندے کو لاحق خطرات کی طرف ابھی تک کسی نے توجہ نہیں دی۔ اگر ان کے تحفظ کے لیے اقدامات نہ کیے گئے تو چند برسوں میں یہ خوب صورت پرندے دنیا سے غائب ہو جائیں گے۔

☆

مسکراتی لکیریں

''ارے بیٹی! تم نیا یونی فارم پہن کر سو کیوں گئی تھیں؟''

''امی! اس لیے کہ خواب میں اگر میں اسکول پہنچ جاؤں تو میڈم ڈانٹیں نہیں۔''

لطیفہ : ایم اختر اعوان، بلدیہ ٹاؤن

آگے ہم، پیچھے بم

ایمن
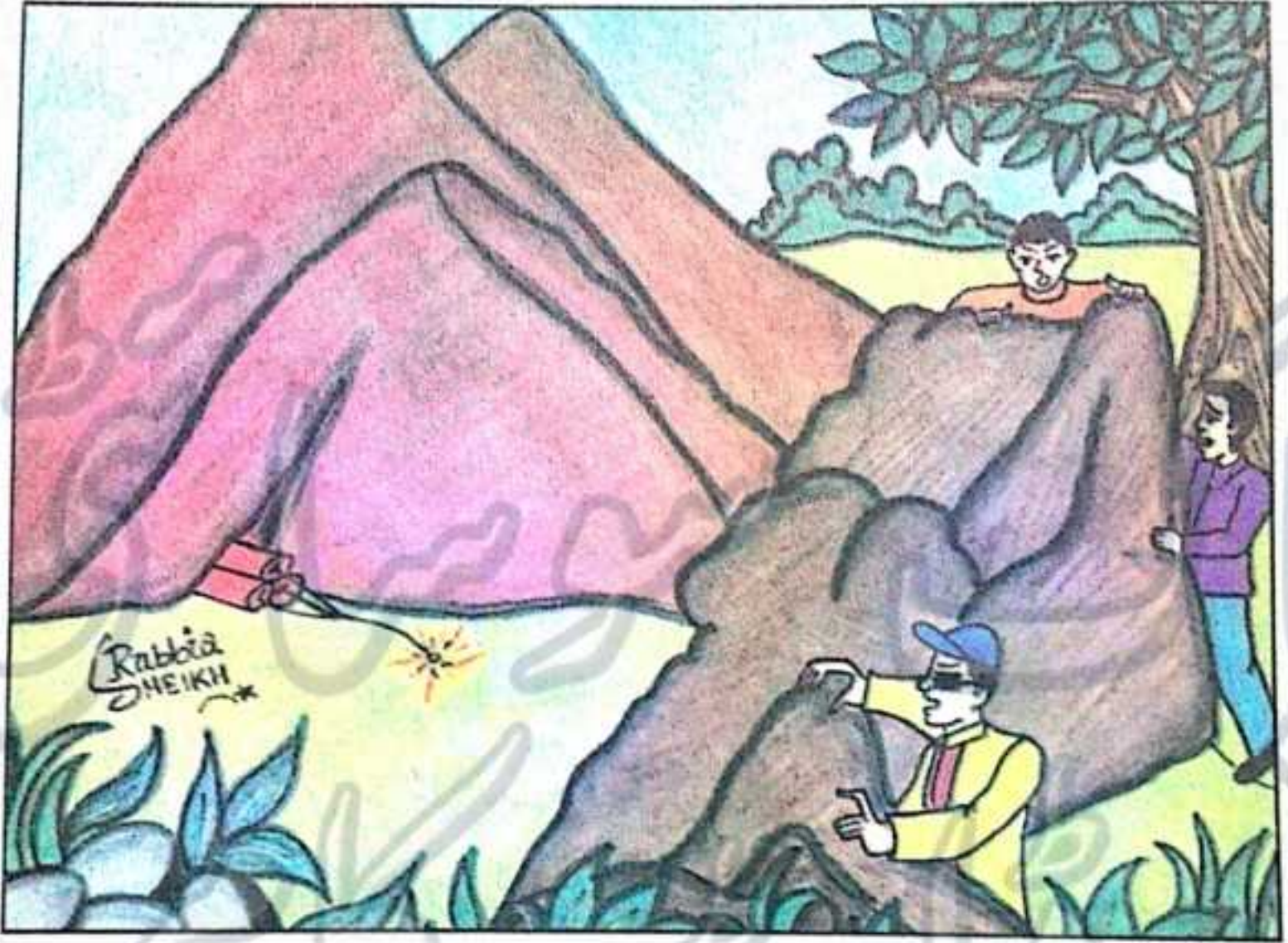
وہ کئی مہینوں سے جنگلوں، ویرانوں میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ تقریباً ہر پڑاؤ پر انھیں محسوس ہوتا کہ ان کی قسمت کا ستارہ عین اسی جگہ طلوع ہونے والا ہے اور وہ وہاں خیمہ لگا کر کھدائی شروع کر دیتے، مگر چند ہی روز میں ناکامی ان کے سامنے آ کھڑی ہوتی اور وہ اس جگہ سے مایوس ہو کر آگے چل دیتے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب آسٹریلیا میں بہت سے لوگ سونے کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ آبادیاں کم تھیں اور ویرانے زیادہ۔ نہ جانے کس طرح یہ

افواہیں پھیل گئی تھیں کہ ان جنگلوں، بیابانوں کی سنگلاخ چٹانوں کے درمیان ''سونے'' کے ذخائر موجود ہیں۔ بہت سے من چلے اسے سچ سمجھ کر ان ویرانوں کی خاک چھان رہے تھے۔ تین دوستوں کا یہ چھوٹا سا گروہ بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا۔ جم، ریگن اور اینڈی حال ہی میں آسٹریلیا آئے تھے اور سونے کی تلاش میں قسمت آزما رہے تھے۔

جنگلوں میں سفر کرتے ہوئے ایک روز وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے، جہاں سرخ رنگ کی ایک بڑی سی چٹان ان کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر پہلا خیال جو ان کے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ سونا ضرور اس چٹان کے نیچے ہے۔

''ہم اس چٹان کو کھود نہیں سکتے۔'' اینڈی نے چٹان کے تفصیلی معائنے کے بعد کہا۔

''اگر ہم اسے دھماکے سے اُڑا دیں تو؟'' ریگن نے خیال ظاہر کیا۔

ریگن کا خیال سب کو پسند آیا۔ انھوں نے اسی وقت چھوٹا سا بم بنایا۔ وہ ایک سادہ سا بم تھا جو بارود کے پیکٹ میں دھاگے کا فیتہ لگا کر بنایا جاتا ہے۔ انھوں نے اسے چٹان کی ایک دراڑ میں پھنسا دیا۔ جم نے دیا سلائی کی مدد سے فیتے کو آگ دکھائی اور پھر تینوں بھاگ کھڑے ہوئے۔ شعلہ دھاگے کو جلاتا ہوا بارود کے نزدیک پہنچا تو انھوں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ ایک زبردست دھماکا ہوا، مگر چٹان ان کی اُمیدوں سے زیادہ مضبوط تھی۔ چند بڑے بڑے پتھر ٹوٹ چکے تھے، مگر چٹان اپنی جگہ پر قائم تھی۔ انھوں نے دوسرا دھماکا کیا، پھر تیسرا۔ چٹان میں ایک بڑی سی دراڑ پڑ گئی، مگر سونا کہیں نظر نہ آیا۔

سونے کی تلاش سے اُکتا کر وہ قریبی تالاب میں مچھلیاں پکڑنے لگے۔ ان کے پاس بڑی بڑی بنسیاں تھیں اور تالاب میں مچھلیاں بہت چھوٹی چھوٹی تھیں۔ دراصل یہ

ایک برساتی جوہڑ تھا اور اس میں پانی بہت کم رہ گیا تھا۔ بس کہیں کہیں پانی سینے تک گہرا تھا۔ جب بہت دیر تک کوئی مچھلی ہاتھ نہ لگی تو جم نے کہا: ''بڑے بڑے کانٹوں میں یہ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ذرا مشکل سے ہی پھنسیں گی۔ بڑی بڑی مچھلیاں تو نیچے ہیں۔''

وہ یہ جانتا تھا یہ بڑی مچھلیاں کیٹ فش کہلاتی ہیں۔ یہ پانی کی تہ میں کیچڑ کے ساتھ رہتی ہیں اور جب کوئی انھیں چھیڑتا ہے تو وہ بُری طرح سے کاٹ لیتی ہیں۔ ان کے منھ میں زہریلے ڈنک بھی ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان کے کاٹنے سے شدید درد بھی محسوس ہوتا ہے۔ اتنی دیر میں اینڈی جوتے اُتار کر تالاب میں کود چکا تھا۔ ایک مچھلی نے اس کی پنڈلی کو نشانہ بنایا اور وہ چیختا چلاّتا باہر نکل آیا۔ ریگن کو بھی یہ بات ذرا دیر میں معلوم ہوئی، اس

نے تہ میں ہلچل کی وجہ سے سطح پر آئی ہوئی ایک مچھلی کو ہاتھ سے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ درد کی ایک لہر اس کے بازو میں پھیل گئی۔

''بالکل دانت کے درد کی طرح تکلیف دہ ہے۔'' اس نے بتایا۔ اینڈی کا بھی یہی حال تھا۔ کچھ دیر بعد درد میں کمی محسوس ہوئی تو وہ بولا: ''اس طرح تو ہم ایک مچھلی بھی نہیں پکڑ سکیں گے۔ ہمیں کوئی اور ترکیب لڑانا چاہیے۔''

''کیوں نہ ہم ریگن کے کتے کو مچھلیاں پکڑنا سکھا دیں۔'' جم نے خیال ظاہر کیا اور تکلیف کے باوجود اینڈی اور ریگن قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ جم خود بھی اپنی بات پر ہنس دیا۔ وہ سبھی جانتے تھے کہ ریگن کا کتا کتنا کاہل اور ناکارہ ہے۔ اصل میں وہ ایک شکاری کتا تھا۔ شکاری کتوں کو یہ تربیت دی جاتی ہے کہ شکار کے دوران جب کوئی پرندہ یا خرگوش گولی کا نشانہ بنے تو وہ اسے پکڑ لائیں۔ ریگن کے کتے میں بھی یہ عادت موجود تھی۔ اس کے باوجود ریگن کبھی شکار نہیں کھیلتا تھا۔ اسے صحیح نشانہ لینا ہی نہیں آتا تھا۔ چناں چہ ہر وقت کے آرام اور ضرورت سے زیادہ خوراک نے اس کے بہترین شکاری کتے کو پرلے درجے کا کاہل، سُست اور بزدل بنا دیا تھا۔ اب شکار کے بجائے وہ دوسری تمام چیزیں بڑے شوق سے اُٹھا لاتا تھا جو بے مصرف ہوتی تھیں اور جنھیں ریگن خود پھینک دیا کرتا تھا۔

''میں اپنے کتے کو ہر کام سکھا سکتا ہوں۔'' ریگن نے دعوا کیا: ''مگر اس میں ذرا وقت لگے گا اور میرے ذہن میں ایک ایسی ترکیب ہے، جس پر ابھی عمل ہو سکتا ہے۔ ہم اس تالاب میں بھی ایک دھماکا کریں گے اور ساری مچھلیاں یا تو مر جائیں گی یا نکل کر دور جا گریں گی۔ پھر ہم انھیں مزے لے لے کر کھائیں گے۔''

ریگن کو اکثر نئے نئے خیالات سوجھتے رہتے تھے، مگر وہ خود ان کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا، اس کے لیے اسے ہمیشہ اپنے دوستوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس بار بھی وہ بڑی دور کی کوڑی لایا تھا۔

ذرا دیر کی محنت کے بعد ایک اور بم تیار ہو چکا تھا، مگر اس کا فیتہ ایک بہت لمبے دھاگے پر مشتمل تھا۔ اینڈی نے بارود کے پیکٹ پر نرم چربی کی تہ چڑھا دی تھی، تاکہ وہ گیلا ہو کر بے کار نہ ہو جائے۔ اس کا خیال تھا کہ فیتے کے دھاگے کے گرد بھی ایک پائپ لگا دیا جائے، تاکہ وہ بھی پانی سے محفوظ رہے، لیکن چائے کی کیتلی آگ پر جل رہی تھی، سو انھوں نے سوچا کہ پہلے چائے پی لی جائے باقی کام بعد میں ہوتا رہے گا۔ بم کو احتیاط سے درخت کے نیچے رکھ کر وہ اپنے خیمے کے پاس آ گئے اور گھاس پر نیم دراز ہو کر چائے پینے لگے۔

اچانک ریگن کے کانوں میں ایک مانوس سی آواز آئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اگلے ہی لمحے وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہا تھا۔ جم اس کے پیچھے تھا۔ اینڈی جو اونگھ رہا تھا، اچانک ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ جم اور ریگن نے اچانک کیوں دوڑ لگانی شروع کر دی ہے۔

جم نے چلا کر اسے ہوشیار کرنا چاہا: ''اینڈی! پیچھے دیکھو۔''

اس نے مڑ کر دیکھا۔ ریگن کا کتا پاس کھڑا دُم ہلا رہا تھا اور اس کے منھ میں وہی بم تھا، جو انھوں نے ابھی ابھی تیار کیا تھا۔ کتا شاید یہ سمجھا تھا کہ اس کے دوست اپنی یہ چیز بھول گئے ہیں، مگر بات صرف اتنی نہ تھی۔ بم کا فیتہ کیتلی کے نیچے بجھے ہوئے انگاروں سے آگ پکڑ چکا تھا۔ اینڈی کی ٹانگیں اس کے ذہن سے پہلے جاگ اُٹھیں اور اس نے بھی

دوڑ لگانا شروع کر دی۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ جم اور ریگن آگے آگے بھاگ رہے تھے۔ ان کے پیچھے اینڈی تھا اور اینڈی کے پیچھے ریگن کا کتا اپنے منھ میں بارود کا پیکٹ دبائے بھاگا چلا آ رہا تھا۔ بم کا فیتہ اگرچہ کافی لمبا تھا، مگر لمحہ بہ لحمہ جل کر چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔ جم اور ریگن چلا چلا کر اسے اپنے پیچھے آنے کو منع کر رہے تھے، مگر یوں لگتا تھا کہ کتا اپنے عزیز دوستوں کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

اچانک اینڈی کے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا۔ اس نے جیب سے قلم نکال کر کتے کو دکھاتے ہوئے اس طرح دور پھینکا جیسے کہہ رہا ہو کہ اسے اُٹھا لاؤ، مگر کتے کے منھ میں ایک چیز پہلے ہی دبی ہوئی تھی اور ہمیشہ کی طرح وہ پہلے اسے اپنے دوستوں تک پہنچانا چاہتا تھا۔ چناں چہ کتے نے اپنی رفتار بڑھائی اور ریگن کی طرف بھاگا۔

ریگن نے جو اس مصیبت کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اور تیز بھاگنے لگا۔ اس کی سانس بُری طرح پھول چکی تھی، مگر اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے اچانک پلٹ کر کتے کے منھ سے بارود کا پیکٹ چھینا اور اس کو پوری قوت سے دور ایک جھاڑی کی طرف اُچھال دیا۔ اس نے سوچا چلو مصیبت ٹلی۔ وہ زمین پر بیٹھ کر ہانپنے لگا، مگر یہ اس کی بھول تھی۔ کتا فوراً جھاڑی کی طرف لپکا اور اگلے ہی لمحے وہ بم سمیت پھر موجود تھا۔ جب ریگن شاباشی دینے کے بجائے کتے کو ڈانٹنے لگا تو وہ جم کی طرف بڑھا۔ ڈر کے مارے جم ایک درخت پر جا چڑھا۔ کتنے نے بارود کا پیکٹ درخت کے نیچے رکھ دیا اور بھونک بھونک کر جم کو بلانے لگا۔

جم نے بارود کی طرف دیکھا۔ اس کا فیتا آہستہ آہستہ جلتا جا رہا تھا، مگر اب بھی کئی

گز لمبا دھاگا موجود تھا۔ اس نے درخت کی اونچی اونچی شاخوں پر چڑھنا چاہا، مگر وہ کم زور تھیں۔ لچک گئیں اور وہ نیچے گر پڑا۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ چوٹ نہیں آئی، ورنہ ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ وہ فوراً اُٹھا اور پھر بھاگنے لگا۔ کتے نے بھی بارود کا پیکٹ نیچے سے اُٹھایا اور اس کے پیچھے بھاگا۔

دوڑتے دوڑتے جسم کا بُرا حال ہو گیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور وہ ایک گڑھے میں جا گرا۔ کتے نے بھی گڑھے میں جھانکا، مگر اسی لمحے اسے ریگن نظر آ گیا۔ وہ کچھ ہی دور کھڑا ہانپ رہا تھا۔ بس پھر کیا تھا۔ کتے نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور اس کی طرف بڑھا۔

اب ایک بار پھر ریگن آگے آگے تھا اور کتا پیچھے پیچھے۔ دوڑتے دوڑتے وہ لوگ سڑک کے قریب جا پہنچے۔ ریگن کو یاد آیا کہ اسی سڑک کے کنارے ایک سرائے ہے۔ وہ فوراً اسی طرف بھاگا۔

سرائے میں اس وقت چند دیہاتی موجود تھے۔ اچانک دروازہ کھلا اور ریگن اندر داخل ہوا۔ سبھی حیرت سے اسے دیکھنے لگے، مگر وہ دروازہ بند کرنے میں مشغول تھا۔ بڑی مشکلوں سے پھولی ہوئی سانس کے درمیان اس نے صرف اتنا کہا: ''میرا کتا...... اس کے منھ میں بارود ہے، جو بس پھٹنے ہی والا ہے۔''

ادھر کتا سرائے کے سامنے پہنچا تو دروازہ بند تھا۔ اس نے فوراً ہی پچھلے دروازے کا رُخ کیا اور اگلے ہی لمحے وہ باورچی خانے سے ہوتا ہوا اندر موجود تھا۔ اس کے منھ میں بارود کا پیکٹ دبا ہوا تھا اور اس کے جلتے ہوئے فیتے کا اب صرف ایک فٹ دھاگا باقی رہ گیا تھا۔

سرائے میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ لوگ ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے باہر نکلنے

لگے اور جب سب باہر آ گئے تو بے چارہ کتا اندر کیا کرتا، وہ بھی ان کے پیچھے باہر نکل آیا۔ وہ سرائے کے دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ ایک جانب سے ایک اور کتا نمودار ہوا۔ یہ سیاہ رنگ کا ایک مقامی کتا تھا، جو اکثر دیہاتیوں کی مرغیاں وغیرہ پکڑ لیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے مدمقابل کے منھ میں ایک عجیب سی چیز دیکھی۔ چربی کی بُو کی وجہ سے وہ اسے ہڈی ہی سمجھا اور غرا کے آگے بڑھا۔

ریگن کا کتا اس وقت لڑائی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو اپنے دوستوں کے ساتھ رہنا چاہتا تھا اور پھر اس بھیانک مقامی کتے کو دیکھ کر تو ویسے ہی اس کا خون خشک ہو چکا تھا۔ اس نے فوراً بارود کا پیکٹ زمین پر چھوڑا اور خود دُم دبا کر ایک طرف کو نکل گیا۔

سب لوگ بھاگ کر اِدھر اُدھر چھپ گئے۔ میدان صاف دیکھ کر وہ کتا آگے بڑھا۔ اس نے سر جھکا کر بم پر لگی ہوئی چربی کو سونگھا، مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنا جیتا ہوا انعام حاصل کر سکتا، زبردست دھماکا ہوا۔ فضا دُھویں اور مٹی سے بھر گئی۔ پتھر اُڑ اُڑ کر دور جا گرے۔ اصطبل پر سے ٹین کی چھت بھی اُڑ کر دور جا گری۔

کافی دیر بعد ریگن کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں۔ اس مقامی کتے کے جسم کے چیتھڑے اُڑ گئے تھے اور سیاہ کھال کا بڑا سا ایک ٹکڑا سرائے کی ایک دیوار پر کسی پوسٹر کی طرح چپکا ہوا تھا۔ اصطبل میں بندھے ہوئے گھوڑے وحشت سے رسّیاں تڑا کر دور جا چکے تھے۔ ہر طرف سرائے والے کی مرغیاں اور بطخیں پھڑ پھڑا رہی تھیں۔ سب لوگ بے تحاشا ہنس رہے تھے اور اس تمام فساد کی جڑ ریگن کا کتا سرائے والے کی گھوڑا گاڑی کے نیچے ڈرا سہما چھپا ہوا کھڑا تھا۔ ☆

دنیا کے رنگ

شمس القمر عاکف

کوئی دنیا میں مال والا ہے
مفلسی سے کسی کا پالا ہے

کوئی ہنس ہنس کے عمر جیتا ہے
کوئی روتا ہے ، اشک پیتا ہے

کوئی نعمت کے خوان کھاتا ہے
خشک ٹکڑے کوئی چباتا ہے

نرم ریشم کسی کے تن پر ہے
ٹاٹ بھی تو کسی بدن پر ہے

اُمَرا بھی خدا کے بندے ہیں
غُربا بھی خدا کے بندے ہیں

یونہی دنیا کا کام چلتا ہے
وقت یوں کروٹیں بدلتا ہے

آج ہے ایک ڈھنگ میں کوئی
کل کسی اور رنگ میں کوئی

بہادر مولان

نونہالو! آج ملک چین کی ایک بہت مشہور کہانی پڑھیں۔ ہمارے ملک میں تو سوائے چند آدمیوں کے کوئی بھی اس کہانی سے واقف نہیں، مگر چین میں یہ اسی طرح مشہور ہے جس طرح ہمارے ہاں الہٰ دین کا جادوئی چراغ۔ یہ کہانی ایک بہادر چینی لڑکی مولان کی ہے۔

جو بھی واقعات اس بہادر لڑکی کو پیش آئے، وہ اس زمانے سے تعلق رکھتے ہیں جب چین پر شمالی سمت سے تاتاریوں کے حملے بار بار ہو رہے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ خوف ناک لوگ پُر سکون چین پر ایک زبردست اور خطرناک سیلاب کی طرح چھاتے جا رہے تھے۔ جس علاقے سے ان کا گزر ہوتا، ان کے جانے کے بعد وہاں سوائے تباہی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ہر چیز کو وہ توڑ پھوڑ دیتے، لوگوں کو مار ڈالتے، مکانات کو آگ لگا دیتے۔ آخر کب تک یہ چیز برداشت کی جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ تاتاری چین کو اس زمین سے بالکل صاف کر دینا چاہتے ہوں۔ ان کی روک تھام بہت ضروری تھی۔ وہاں کے بادشاہ نے یہ تمام حالات دیکھتے ہوئے پورے ملک میں ایک اعلان کروایا اور ایک حکم جاری کیا جس کے تحت ملک کے تمام مَردوں کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ چین کو تباہی سے بچانے کے لیے ہاتھوں میں ہتھیار سنبھال کر میدان میں نکل آئیں۔ اس نے اپنے ہرکاروں کو حکم دیا کہ وہ ملک کے ہر شہر، قصبے اور گاؤں میں جا کر اس حکم کی منادی کریں۔ چین کوئی چھوٹا موٹا ملک تو ہے نہیں، بہت بڑا علاقہ ہے۔ دوسرے اس زمانے میں سفر کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بلکہ سب سے مشکل کام ہی یہ تھا، لیکن حالات اور بادشاہ کے حکم کی وجہ سے اس کام کو

سرانجام دینا نہایت ضروری تھا۔

ایک دن ایک ہرکارہ مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا مولان کے گاؤں میں پہنچ گیا۔ جیسے ہی اس کی آواز گاؤں میں گونجی، لوگ باگ اپنا اپنا کام چھوڑ کر آواز کی طرف روانہ ہوگئے، تاکہ معلوم ہوسکے کہ اعلان کیا ہے؟ مولان نے بھی اپنا ریشمی کپڑا، جو وہ بیٹھی سی رہی تھی، ایک طرف رکھا اور آواز کی طرف دوڑی۔ ہرکارے کا اعلان سن کر اس کا دل ڈوبنے لگا۔

اعلان تھا: ''دوستو! ہمارا چین سخت خطرے میں ہے۔ دشمن ہمیں بالکل مٹا دینا چاہتا ہے۔ ہماری فوج بھی ان کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ وقت ایسا ہے کہ اگر ہم نے ہمت نہیں کی تو چین میں کوئی بھی چینی باقی نہیں رہے گا، اس لیے ہمارے ملک میں رہنے والے ہر چھوٹے بڑے خاندان کا ایک آدمی ضرور آگے بڑھے اور دشمن کے خلاف ہتھیار سنبھال لے، تاکہ ہم دشمن کو واپس اپنے پیارے وطن کی سرحدوں کے پار دھکیل دیں اور سکون و آرام سے زندگی گزار سکیں۔ چاہے آدمی جوان ہو یا زیادہ عمر کا ہر خاندان سے کم از کم ایک آدمی لازمی ہے۔ یہ ہمارے بادشاہ کا فرمان ہے۔''

چینی بچے دوسرے تمام ممالک کے بچوں کے مقابلے میں اپنے بزرگوں کی زیادہ عزت کرتے ہیں۔ اُنھی میں مولان بھی شامل تھی۔ وہ اپنے والدین سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ خاص کر اپنے ابا سے تو بے انتہا محبت کرتی تھی۔ یہ اعلان سن کر اس کا دل ڈوبنے لگا، کیوں کہ اس کے خاندان میں صرف ایک ہی مرد تھا اور وہ تھے اس کے پیارے ابا۔ بادشاہ کے حکم سے ان کا نام لازمی رضا کاروں میں شامل ہونا تھا۔

دوسرے دن رضا کاروں کے ناموں کی فہرست گاؤں کے چوراہے کے بیچوں بیچ

ایک لکڑی کے تختے پر لگا دی گئی۔ مولان جانتی تھی کہ اس کے ابا کا نام بھی ضرور اس فہرست میں شامل ہوگا۔ اب کیا کیا جائے؟ مولان نے دھڑکتے دل سے سوچا۔ اب اس کے ابا کی حفاظت ناممکن نظر آتی تھی۔ اس کا ذہن سوچ رہا تھا، اس کے ابا کو اس ظالم جنگ میں ضرور جانا پڑے گا، کئی برسوں کے لیے یا ہوسکتا ہے وہ واپس بھی نہ آسکیں۔ اس وقت اس کے ذہن میں ایک بہت خوف ناک منظر تھا، جس میں اس نے اپنے ابا کو ہزاروں میل دور کسی نامعلوم مقام پر دشمن کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا، دوسرے ہی لمحے اس کا خیال بدلا اور اس نے دیکھا کہ اس کے ابا کو قیدی بنالیا گیا ہے اور تاتاری ان کو زنجیروں میں جکڑے کھینچتے ہوئے اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں۔

سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں اپنے ابا کو محفوظ رکھنے کے لیے آخر ایک ترکیب آہی گئی۔ وہ ایک اچھی گھڑ سوار تھی اور مَردوں کی طرح قد و قامت رکھتی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ یونی فارم پہن لے تو ایک سپاہی لگے گی۔ اس نے سوچا، وہ اپنے ابا کی جگہ اس جنگ میں حصہ لے گی۔ بغیر وقت ضائع کیے مولان مشرقی مارکیٹ کی طرف دوڑی اور چھانٹ کر سب سے بہترین اور مضبوط گھوڑا خریدا۔ گھوڑے پہ سوار ہونے کے بعد دل ہی دل میں اس نے دعا مانگی کہ خدا کرے یہ گھوڑا اسے بحفاظت میدانِ جنگ تک پہنچا دے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مغربی مارکیٹ میں موجود تھی۔ جہاں چھانٹ کر اس نے ایک مضبوط زین اور گھوڑے کا گرم کپڑا خریدا۔ دونوں چیزیں گھوڑے پر جماتے ہوئے ایک بار پھر اس نے دعا مانگی: ''اے خدا! میری مدد کر اور جس مقصد کے لیے میں نے ارادہ کیا ہے، اس میں کام یابی دے۔'' اس کے بعد جنوبی مارکیٹ سے لگام اور شمالی مارکیٹ سے ایک مضبوط چابک خرید کر پوری طرح تیار ہوگئی۔

تمام تیاریوں کے بعد مولان کی یہ ہمت نہ ہوسکی کہ پلٹ کر واپس اپنے کھیتوں کی طرف جائے۔ وہ لوگوں کے سوالات سے گھبرا رہی تھی۔ گھوڑے کو گاؤں سے باہر والے جنگل میں ایک محفوظ مقام پر اس نے باندھا اور باقی چیزیں، زین، لگام، چابک وغیرہ چھپتے چھپاتے گھر میں لا کر چھپا دیں۔

دوسری صبح مولان بہت جلدی اُٹھ گئی۔ اس نے اندھیرے میں اپنی ریشمی فراک کھونٹی میں لٹکی ہوئی دیکھی، لیکن اس نے اسے اُتارا نہیں، کیوں کہ اب اس کو اس فراک کی ضرورت نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ دوسرے کمرے میں گئی، جہاں اس کے والد کے لیے فوجی یونی فارم موجود تھی۔ بڑی احتیاط سے اس نے یونی فارم پہنا، بھاری کوٹ اور چمڑے کے لمبے بھاری جوتے اُٹھائے اور اپنے کمرے میں لا کر جلدی جلدی پہننا شروع کر دیے۔ سب کچھ پہننے کے بعد اپنے کندھوں پر وہ بڑا سا کپڑا باندھا، جو اس زمانے کے چینی فوجیوں کے لباس میں شامل تھا۔ اب وہ بالکل تیار تھی۔ بہت احتیاط سے وہ اپنے گھر سے باہر نکلی۔ اس وقت ہر طرف کُہر چھائی ہوئی تھی۔ ہر طرف بالکل خاموشی تھی۔ نہ تو اس وقت جنگل سے کسی لکڑ ہارے کی لکڑیاں کاٹنے کی آواز آ رہی تھی اور نہ دور یا قریب سے کنویں سے پانی نکالنے کی آواز آ رہی تھی۔ مولان نے بڑی حسرت سے پلٹ کر آخری بار اپنے ابا کے مکان کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ اس کو یقین تھا کہ جب اس کے ابا اپنی تمام چیزیں غائب دیکھیں گے اور ساتھ ہی اسے نہ پائیں گے تو انھیں مولان کی پوری اسکیم کا علم ہو جائے گا اور ساتھ ہی انھیں بہت رنج ہوگا۔ مولان انھیں رنجیدہ بھی نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر کیا کرتی، اس کے بغیر مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ مرغیوں کے دڑبے کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ اور بھی رنجیدہ ہو گئی۔ اب وہ اپنی تمام پسندیدہ

چیزیں چھوڑ کر جا رہی تھی۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں گئی اور زین، لگام اور چابک نکال کر واپس باہر آ گئی۔ آخری بار وہ اپنے گھر سے باہر نکل گئی۔

جنگل میں جا کر اس نے گھوڑے کو کھولا۔ زین کس کر سوار ہوئی اور اپنے لمبے سفر پر روانہ ہو گئی۔ دن نکلتے نکلتے وہ گاؤں سے کئی میل دور پہنچ چکی تھی۔ تمام دن سفر جاری رہا۔ ایک جگہ اسے دو فوجی رضا کار ملے اور پھر تو بہت سے ملتے رہے۔ اب سب اِکھٹے سفر کر رہے تھے۔ سب کا رخ شمال کی طرف تھا، جب کہ اسی سمت سیکڑوں میل دور جنگ کی جگہ تھی۔ رات کے وقت دوسرے فوجیوں کے ساتھ وہ بھی پڑاؤ ڈال لیتی۔ وہ ایک خوب صورت جوان فوجی دکھائی دیتی۔ کوئی اس کو پہچان نہ سکا تھا اور نہ کسی کو معلوم تھا کہ وہ اپنے ابا کی جگہ لے چکی ہے۔

اس وقت تک ایک زبردست رضا کار فوج تیار ہو چکی تھی۔ مولان اپنے مضبوط اور تیز رفتار گھوڑے اور اپنی پھرتی کی وجہ سے ہمیشہ اس رضا کار فوج کی اگلی صفوں میں ہوتی۔ چند روز کے بعد ایک دن جب کہ سورج کُہر زدہ صبح میں کچھ اوپر ہی چڑھا تھا، پوری فوج چین کے مشہور زرد دریا کے کنارے پر پہنچ گئی۔ دریا میں اس وقت طغیانی آئی ہوئی تھی۔ رضا کاروں نے اپنے اپنے گھوڑے دریا میں دوڑا دیے، تا کہ اس دریا کو پار کر جائیں، لیکن دریا کا بہاؤ اس قدر تیز تھا کہ کئی سوار اپنے گھوڑوں کے ساتھ بہ گئے، لیکن مولان اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر مضبوطی کے ساتھ جمی رہی۔ بہاؤ کی تیزی کا مقابلہ مشکل تھا، مگر صحت مند گھوڑا اپنی پوری طاقت سے دوسرے کنارے کی طرف پہنچنے کی کوشش کرتا رہا اور آخر وہ اپنے سوار کے ساتھ دوسرے کنارے پر بحفاظت پہنچ ہی گیا۔ دوسرے رضا کار جو پہلے دریا پار کر چکے تھے، پانی میں غوطے لگانے کی وجہ سے بھیگ چکے تھے، مگر مولان اپنے گھوڑے کی

مضبوطی کی وجہ سے ذرا بھی نہیں بھیگی تھی۔

اسی طرح گھوڑا اور اس کا سوار بہت سے کارنامے انجام دیتا رہا۔ مولان کو دس سال کا عرصہ گھوڑے کی پیٹھ پر جنگ کرتے ہوئے گزر گیا۔ مولان کو یہ دس سال ایسے معلوم دیتے تھے جیسے اس کی ساری زندگی اسی جنگ میں گزر گئی۔ اس دس سال کے عرصے میں مولان اور دوسرے رضا کار ساتھیوں نے جنگل، پہاڑ، دریا، ریگستان کے ان علاقوں میں جہاں سڑک کا نام ونشان بھی نہیں تھا، ہزاروں میل کا سفر طے کیا۔ مختلف موسموں سے ان کا واسطہ پڑا۔ کبھی سورج کی تپش سے ان کے بدن جلنے لگتے۔ کبھی جمی ہوئی برف سے ان کے جسم یخ ہو کر سن پڑ جاتے، برف ان کے لباسوں پر جم جاتی۔ سال پر سال گزرتے رہے۔ بوڑھے اور جوان اِدھر اُدھر بھٹکتے رہے اور جنگ میں مصروف رہے اور ان کے ساتھ ہی مولان بھی جنگ میں بڑی بہادری سے حصہ لیتی رہی۔ برسوں کی محنت ومشقت، سورج کی تپش اور سخت ہوا اور بارشوں نے اس کے جسم کی کھال کو سخت کر دیا تھا۔ اب اس کے چہرے سے زنانہ پن بالکل بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ اس کی محنت اور اس کی بہادری نے اس کو بڑی فوج کا کپتان بنا دیا تھا اور اب وہ چینی شاہی فوج کی ایک بہادر ترین کپتان تھی۔

لیکن کیا مولان کو یہ چیز پسند تھی؟ نہیں، بلکہ اس نے جو کچھ بھی اس عرصے میں کیا، اپنا فرض سمجھتے ہوئے کیا اور اس نے یہ فرض نبھایا بھی بڑی خوبی سے۔ لیکن اس چیز سے وہ پوشیدہ طور پر نفرت کرتی تھی۔ تمام سمجھ دار لوگوں کی طرح مولان کو بھی جنگ کے نام سے نفرت تھی۔ اس کی سخت اور جان لیوا محنت، ظلم اور دوسروں کو مار ڈالنے کے اس کھیل نے مولان کے دل میں اس کے لیے نفرت اور ساتھ ہی غم بھی بھر دیا تھا۔ اس دس سال کے تھکا دینے والے لمبے عرصے میں صرف ایک ہی چیز ایسی تھی جس سے اسے تھوڑی بہت خوشی ملتی

تھی، وہ یہ کہ جب بھی نئے دن کا سورج نکلتا، اس کے دل میں یہ خیال آتا کہ جنگ کے ختم ہونے میں ایک دن اور کم ہوا۔ یہ عرصہ ایک لمبی سڑک کی طرح تھا، جو کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آتی تھی۔ آخر ایک دن جب وہ صبح سو کر اُٹھی تو اسے معلوم ہوا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور دشمن پلٹ کر بھاگ گیا ہے۔ اب چینی فوجی اپنے اپنے گھر جانے کے لیے آزاد تھے، لیکن مولان اس جنگ کے دوران میں اتنی مشہور ہو چکی تھی کہ سب بڑے بڑے افسر یہاں تک کہ شہنشاہ خود اس بات پر غور کر رہے تھے کہ اس کو شاہی فوج میں ہی رہنا چاہیے۔

بادشاہ کی خواہش کی وجہ سے کپتان مولان کی واپسی نہ ہو سکی۔ بادشاہ نے سب کپتانوں کو اپنے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا، تاکہ وہ ان کی بہادری پر انھیں انعام دے سکے۔ اس نے کپتانوں پر چھوڑ دیا کہ جو کچھ بھی وہ مانگیں گے اور وہ چیز بادشاہ کے قابو میں ہوگی، انھیں بخش دی جائے گی۔ باری باری کپتان آئے اور اپنی اپنی خواہشات ظاہر کرتے رہے۔ ایک نے دولت مانگی، دوسرے نے زمین، غرض ہر ایک نے ایک نئی چیز مانگی۔ اس کے بعد مولان کی باری آئی۔

''مولان کی کیا خواہش ہے؟'' بادشاہ نے پوچھا۔

اس وقت مولان تھوڑی دیر خاموش رہی۔ لوگ بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ سب سے بڑا کپتان مولان کیا چیز مانگے گا۔ مولان ایک لمبا ڈگ بھر کر اپنی جگہ سے آگے بڑھی، بلکہ یوں کہنا چاہیے آگے بڑھا، کیوں کہ اب تک اس کا راز نہیں کھلا تھا۔ مولان نے جیسے ہی کچھ بولنے کے لیے اپنا منھ کھولا، تھوڑی بہت آوازیں آنا بھی بند ہو گئیں۔

''جناب عالی! نہ مجھے دولت چاہیے نہ زمین اور نہ اس قسم کی کوئی چیز۔ میں صرف دو چیزوں کی خواہش رکھتا ہوں۔ میں شہنشاہ سے درخواست کروں گا کہ وہ مجھے ایک نیا گھوڑا

عنایت فرمائیں، کیوں کہ میرا گھوڑا جس نے اس ظالم جنگ میں میرا بڑی اچھی طرح ساتھ دیا ہے، کافی تھک چکا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کو اب کسی دوسرے کام کے لیے استعمال نہ کیا جائے اور وہ اب آرام کرے اور خوب اطمینان سے چرتا پھرے۔''

مجمع اس عجیب سی خواہش کو سن کر حیران رہ گیا اور اب تمام لوگ دوسری خواہش کے منتظر تھے کہ دیکھیں، وہ کیا ہوتی ہے۔

''اور میری دوسری خواہش یہ ہے کہ شہنشاہ مجھے اجازت دیں کہ میں فوج کو چھوڑ کر واپس اپنے آبائی گاؤں چلا جاؤں۔''

کئی لمحوں تک بالکل خاموشی رہی۔ لوگ حیران تھے کہ کیا ان کے کان انھیں دھوکا دے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر انھوں نے غور کیا اور آخر ان کے سمجھ میں آ گیا کہ ان کا محبوب کپتان کس قدر اچھا اور عقل مند ہے اور پھر خوشی سے سب نے ایک زور دار نعرہ لگایا۔ مولان نے لالچ نہ دکھا کر ان کے دل جیت لیے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد مولان کی حقیقت سب پر ظاہر ہوگئی۔ مولان آخر میں ہمیشہ انہی لوگوں کے درمیان رہی۔ اس کی کہانی ایک قومی کہانی بن گئی، جو کہ پیڑھی در پیڑھی (پشت در پشت) سنائی جاتی رہی۔

خیر اس واقعے کے دوسرے دن مولان اپنے گاؤں کے لمبے سفر پر روانہ ہوگئی، سیکڑوں میل کا سفر اس نے اپنے نئے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر جنوب کی جانب طے کیا۔ اس کے آنے کی خبر اس سے پہلے ہی ہر جگہ پہنچ جاتی اور ہر جگہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔ کہیں بھی نہ تو اسے ٹھیرنے کی پریشانی ہوئی اور نہ کھانے پینے میں کوئی تکلیف ہوئی۔ آخر ایک بار پھر اس نے زرد دریا کو پار کیا۔ دوسرے کنارے پر پہنچتے ہی اسے محسوس ہونے لگا جیسے وہ اب اپنے گھر کے قریب پہنچ چکی ہے۔ یہاں پہنچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ اب اسے فوجی وردی

اُتار کر دوبارہ زنانہ کپڑے پہن لینے چاہییں۔

جیسے ہی وہ اپنے گاؤں کے قریب پہنچی، لوگ باگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر اس کو دیکھنے کے لیے آنے لگے، کیوں کہ اس کے آنے کی خبر اس سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ اس بہادر کپتان کی ایک جھلک دیکھ لے جو اس ظالم جنگ سے واپس اپنے گھر آ رہا تھا۔ وہ اس وقت کس قدر حیران ہوئے ہوں گے، جب انھوں نے دیکھا ہوگا کہ وہاں تو ایک جوان عورت معمولی سا سادہ لباس پہنے ایک گھوڑے پر بیٹھی جنوب کی سمت اُڑی جا رہی ہے۔ کیا یہی وہ مشہور کپتان ہے جس کی خبر وہ سن چکے تھے؟ ہر ایک کے دماغ میں بس ایک ہی سوال تھا، لیکن اس کے بوڑھے ماں باپ جانتے تھے کہ مولان ہی وہ بہادر کپتان ہے، جس کی زندگی کی اُمیدیں ختم ہو چکی تھیں اور کل ہی دس سال کے بعد ان کو اپنی بہادر بیٹی کی واپسی کی خبر ملی تھی۔ انھوں نے اپنے سب سے بہترین لباس اس وقت پہن رکھے تھے۔ اس وقت خوشی کے آنسو ان کی آنکھوں میں چھلک رہے تھے، جب وہ دروازے پر اپنی بیٹی کو خوش آمدید کہنے پہنچے۔

لیکن دونوں کے پیچھے یہ بڑا سا لڑکا کون ہے؟ مولان نے سوچا۔ ارے، یہ تو اس کا چھوٹا بھائی ہے۔ جب وہ گھر چھوڑ کر آئی تھی۔ اس وقت یہ زمین پر گھٹنوں کے بل کھسکتا تھا اور اب وہ کافی بڑا ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی بڑی بہن کو جب دیکھا تو اس کی خوشی کی حد نہیں رہی۔ مولان آگے بڑھ کر ماں باپ سے لپٹ گئی۔ سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ اب مولان پھر وہی معمولی لڑکی تھی، وہی اس کا گھر، بھائی، ماں، باپ، مرغیاں، کھیت اور گاؤں۔

☆☆☆

نونہال
مصور
طوبیٰ فاروق حسین شیخ، شکارپور
ریان رفیع، جگہ نامعلوم
عفرہ عمر، لاہور
فاطمہ جمیل، کراچی
سلمان یوسف سمیجہ، علی پور
محمد حسان، گلستان جوہر

تصویر خانہ

شیخ حسن جاوید، کورنگی

عرشیہ نوید، کراچی

زینب بتول، اسلام آباد

بے بی ریحان، نارتھ ناظم آباد

ثنیہ سحر، اوباڑو

سعد عبداللہ، اوباڑو

آمنہ افراسیاب، کراچی

عبداللہ آفتاب صدیقی، کراچی

فرازم انیس، جگہ نامعلوم

محمد سعد، اسلام آباد

محمد عمار، کراچی

سمیر طارق رضا، روہڑی

حسن عبداللہ، فیصل آباد

احسن علی، کراچی

وفادار کُتّا

غلام مصطفیٰ سولنگی

کھیر تھر پہاڑی سلسلہ ۲۷۰ کلومیٹر کی ایک پٹی کی صورت میں سندھ اور بلوچستان کے درمیان ایک قدرتی سرحد ہے۔ اس پہاڑی سلسلے کا ایک حصہ کراچی کے شمال میں آ کر ختم ہوتا ہے، جب کہ ایک حصہ بلوچستان کے ضلع خضدار میں بروہی پہاڑی سلسلے سے جا ملتا ہے۔ اس پہاڑی سلسلے کے سب سے اونچے پہاڑ کا نام ''ڈاڑھیارو پہاڑ'' ہے، جو سطح سمندر سے ۷۰۰۰ فیٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اس عظیم الشان پہاڑ پر ایک وفادار کُتّے کی قبر موجود ہے۔

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک دفعہ ڈاڑھیارو پہاڑ کی چوٹی پر ایک بروہی نوجوان اپنی کدال سے قبر کھود رہا تھا۔ وہ دکھ سے نڈھال تھا اور پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔

قبر کھودنے کے بعد اس نے ایک بوری کھولی۔ بوری میں ایک کُتا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے جسم میں زندگی کی کوئی علامت نہ تھی۔ وہ بے چارہ اب اس جہان میں نہیں رہا تھا۔ نوجوان نے اس کُتّے کو قبر میں لٹا دیا اور اس کے اوپر پتھر رکھنے لگا۔

اس دن ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ بروہی نوجوان نے اپنے وفادار کُتّے کی قبر پر آخری پتھر رکھا۔ کچھ دیر بعد وہ اُٹھا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ صرف وادیاں اور پہاڑ ہی اس کی آواز سن سکے۔ اس نے پورا دن وہاں گزارا اور شام کو روتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔ گھر میں بھی اسے سکون و قرار نہ مل سکا۔ اسے اپنے وفادار کُتّے کے ساتھ گزارے ہوئے دن بہت یاد آنے لگے۔

ڈاڑھیارو پہاڑ نیچے یہ بروہی نوجوان ایک پہاڑی گاؤں میں رہتا تھا۔ ایک دن اس نے ایک چھوٹے سے کُتّے کو پہاڑوں میں بھٹکتے ہوئے دیکھ لیا۔ یہ چھوٹا سا کُتا بہت ہی خوب صورت تھا۔ نوجوان نے اسے پکڑ لیا اور اپنی جھونپڑی میں لے آیا۔ نوجوان اس کا بہت خیال رکھنے لگا۔ کُتا جوان ہو گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ بروہی نوجوان اور کُتّے کا پیار بڑھنے لگا۔ وہ دن رات اپنے مالک کے ساتھ رہتا تھا۔ پوری وادی میں ان کے پیار اور محبت کے چرچے ہونے لگے۔

گاؤں میں ایک دکان تھی، جہاں ضرورت کا سامان مل جاتا تھا۔ نوجوان اس دکان سے گھر کے لیے سودا سلف لینے کتے کے ساتھ اس کی دکان پر اکثر جایا کرتا تھا۔ ایک سال خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بارش نہ ہوئی۔ ظاہر ہے کہ بارش نہ ہونے کے باعث فصل نہ ہو سکی۔ نوجوان نے دکان دار سے کہا کہ ایک سال تک اسے اُدھار پر سامان دیا جائے۔

کچھ سوچ کر دکان دار نے کہا کہ وہ اپنا کُتا قرض کی ادائی تک یہاں ضمانت کے طور پر چھوڑ جائے۔ غریب اور مجبور نوجوان کو ایسا ہی کرنا پڑا۔ اپنے کُتے سے جدا ہونے کا اسے بہت افسوس تھا۔ وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے کُتے کے کان میں کہا: ''اپنے نئے مالک سے وفادار رہنا۔ جب تک میں قرض ادا نہ کروں، واپس ہرگز نہ آنا۔''

معصوم جانور کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ وہ اپنے مالک کا دکھ شدت سے محسوس کر رہا تھا اور اپنے آپ کو نئے مالک کے ساتھ عارضی طور پر رہنے کو تیار کر رہا تھا۔ نوجوان اپنے وفادار کُتے کو دکان دار کے حوالے کر کے اپنے گاؤں چلا گیا۔

دکان دار نے کُتے کے گلے میں زنجیر ڈالی اور اسے اپنے گھر لے آیا۔ بے چارے

کُتّے نے پہلے تو کبھی زنجیر دیکھی ہی نہیں تھی۔ اسے عجیب سا لگ رہا تھا، پھر بھی اسے اپنے نئے مالک کے ساتھ وفاداری کرنی ہی تھی۔

دن گزرتے گئے۔ بروہی نوجوان نے اپنے کھیتوں کو بڑی محنت سے تیار کیا۔ اسے انتظار تھا کہ بارش ہو اور فصل اچھی ہو جائے، تاکہ وہ قرض اُتار کر اپنے کُتّے کو واپس گھر لے آئے۔

ایک رات دکان دار کے گھر میں چور گھُس آئے۔ چور دکان دار کی پوری نقدی، زیورات اور دوسرا قیمتی سامان چرا کر لے گئے۔ کُتا زنجیر میں بندھا ہوا تھا، لہٰذا مجبور تھا۔ وہ زور زور سے بھونکنے لگا۔ دکان دار جاگ اُٹھا۔ اسے محسوس ہوا کہ کچھ گڑ بڑ ہوئی ہے۔ اس نے فوراً کُتّے کو زنجیر سے آزاد کر دیا۔ کُتا چوروں کے پیچھے دوڑا۔ چور گاؤں کے باہر ندی کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ کُتّے نے ان کو گھیر لیا۔ دکان دار بھی پیچھے پیچھے چلا آیا۔ اس کے ساتھ ہی گاؤں کے بہت سارے لوگ بھی لاٹھیاں اور کلہاڑیاں لے کر وہاں آ گئے۔ اس طرح چور وہیں سامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دکان دار کُتّے کے اس کارنامے پر بے حد خوش ہوا اور کُتّے کو آزاد کرنے اور اپنے اصل مالک کے پاس واپس بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔

"تمھارے وفادار کُتّے نے مجھے بے حد خوش کر دیا ہے۔ اس نے میری قیمتی چیزیں، نقدی اور ساز و سامان چوری ہونے سے بچا لیا ہے۔ میرے خیال میں تمھارے کُتّے نے تمھارا قرض چکا دیا ہے۔ اب تم میرے قرض دار نہیں ہو۔ تمھارے کُتّے کو آزاد کر کے تمھارے پاس واپس بھیج رہا ہوں۔" دوسرے دن دکان دار نے کُتّے کے گلے میں

یہ پرچی ڈالی اور زنجیر کھول کر کُتّے کو اپنے پرانے مالک کے گھر جانے کا حکم دے دیا۔

کُتّے نے خوشی خوشی اپنے پرانے مالک کے گھر کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ وہ پہاڑی رکاوٹوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر اپنے پرانے بروہی مالک پر پڑی۔ اب کی بار بارش خوب ہوئی تو فصل بھی اچھی ہوئی۔ بروہی نوجوان نے اناج بیچ کر قرض کے پیسے دینے کا انتظام کرلیا تھا۔ وہ دکان دار کی طرف ہی آ رہا تھا۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔ کُتا خوشی سے دُم ہلانے لگا، لیکن دونوں کے جذبات واحساسات ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ ایک بے حد خوش تھا تو دوسرا اس کے برعکس دکھ اور غصے میں تھا۔ کُتّے نے سوچا کہ اس کا پرانا مالک اس کی بہادری پر بہت خوش ہوگا اور اسے پیار کرے گا، جب کہ بروہی نوجوان سمجھ رہا تھا کہ یہ کُتا دکان دار کے ہاں سے بھاگ آیا ہے اور اس کے لیے شرمندگی اور ذلت کا باعث بنا ہے۔

"بے شرم کُتّے! تم نے میری بے عزتی کرادی۔ تم نالائق اور نمک حرام ہو۔"

کُتا بے چارہ اپنے مالک کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگا، لیکن مالک نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ اتنے قابلِ فخر اور وفادار جانور کے لیے یہ سب کچھ برداشت سے باہر تھا۔ اسے یقین ہو چلا کہ اس کو پرانا مالک قبول نہیں کرے گا، لہٰذا وہ غم کی شدت سے وہیں ڈھلوانی راستے پر گر گیا اور دَم توڑ دیا۔

نوجوان جب دکان دار کے پاس قرضہ واپس کرنے پہنچا تو اسے حقیقت کا علم ہوا۔ دکان دار نے اسے بتایا کہ اس نے کُتّے کے گلے میں کُتّے کی رہائی اور قرض کی معافی کا پرچا لکھ کر باندھ دیا تھا۔

دکھ، اُداسی اور پچھتاوے کا بوجھ لیے نوجوان وہاں سے روانہ ہوا۔ ہلکی ہلکی بارش تھی، لیکن اس نوجوان کے دل میں تو دکھ اور پشیمانی کی تپش تھی۔ اس نے اپنے مرے ہوئے محبوب کُتّے کو بوری میں ڈالا اور ڈاڑھیارو پہاڑ کی چوٹی پر قبر کھود کر اسے دفنا دیا۔ آج بھی اس وفادار اور قابلِ فخر کُتّے کی قبر اس پہاڑ کی چوٹی پر موجود ہے، جہاں سال کے بارہ ماہ زبردست ٹھنڈ رہتی ہے۔

صدیاں بیت گئیں ہیں، لیکن سندھ کے لوگ وفادار کُتّے کی کہانی کو نہیں بھولے۔

☆☆☆

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے سولہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ صحیح جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ صحیح جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ دسمبر ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ عالمِ اسلام کی پہلی مسجد .... ہے۔ (مسجد اقصیٰ ۔ مسجد نبوی ۔ مسجد قبا)

۲۔ خلفائے راشدین میں سب سے طویل دورِ حکومت .... کا تھا۔ (حضرت عمرؓ ۔ حضرت عثمان غنیؓ ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

۳۔ سکھ قوم کا مقدس شہر .... ہے۔ (جالندھر ۔ لاہور ۔ امرتسر)

۴۔ غزنی کے حکمراں محمود غزنوی کے والد کا نام .... تھا۔ (الپتگین ۔ بلکاتگین ۔ سبکتگین)

۵۔ پاکستان کا سب سے بڑا بیراج .... ہے۔ (گدو بیراج ۔ سکھر بیراج ۔ کوٹری بیراج)

۶۔ ''اوساکا'' .... کا ایک بڑا شہر ہے۔ (فرانس ۔ جرمنی ۔ جاپان)

۷۔ ''سنکیانگ'' .... کا وہ صوبہ ہے، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ (برما ۔ چین ۔ تھائی لینڈ)

۸۔ علامہ اقبال کے پہلے اردو مجموعۂ کلام کا نام .... ہے۔ (بالِ جبریل ۔ بانگِ درا ۔ ضربِ کلیم)

۹۔ پاکستان میں دن کے بارہ بجے ہوں تو اسپین میں صبح کے .... بجے ہوں گے۔ (چھے ۔ سات ۔ آٹھ)

۱۰۔ دنیا کا سب سے اونچا مجسمہ .... ہے۔ (امریکا کا مجسمہ آزادی ۔ مجسمہ ابراہم لنکن ۔ مجسمہ بدھا)

۱۱۔ مشہور شاعر .... کا اصل نام یحییٰ امان تھا۔ (تشنہ ۔ تاباں ۔ جرات)

۱۲۔ ترکمانستان کی کرنسی .... کہلاتی ہے۔ (بھات ۔ منات ۔ کیات)

۱۳۔ ''BARLEY'' (بارلے) انگریزی زبان میں .... کو کہتے ہیں۔ (باجرا ۔ مکئی ۔ جَو)

۱۴۔ پاکستان کے پہلے وزیر .... ملک غلام محمد تھے۔ (بہبود آبادی ۔ خزانہ ۔ قانون)

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت ہے: ''جنگل میں .... ناچا، کس نے دیکھا'' (چوہا ۔ مرغا ۔ مور)

۱۶۔ مشہور شاعر ابراہیم ذوق کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

اے ذوق! تکلف میں ہے تکلیف سراسر .... میں ہے وہ جو تکلف نہیں کرتا (مزے ۔ آرام ۔ عیش)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۴۰ (دسمبر ۲۰۱۵ء)

نام :

پتا :

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- دسمبر ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (دسمبر ۲۰۱۵ء)

عنوان :

نام :

پتا :

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ - دسمبر ۲۰۱۵ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

دین کی باتیں آسان زبان میں سمجھانے والی کتاب

نونہال دینیات

تعلیم وتربیت کی غرض سے بچوں کو ابتدا ہی سے دین کی بنیادی اور ضروری باتیں ان کے ذہن نشین کرانے کے لیے ایک مستند کتاب، جس سے گھر میں رہ کر بھی بچوں کی دینی واخلاقی تربیت کی جاسکتی ہے۔ بچوں کی بڑھتی ہوئی عمر اور سوچ کے لحاظ سے اس کتاب کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصہ رنگین، خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ اور ہدیہ انتہائی کم کہ بچے بھی اپنے ''جیب خرچ'' سے اسے حاصل کرسکتے ہیں۔

بچوں کے علاوہ بڑے بھی رہنمائی حاصل کرسکتے ہیں۔

ہدیہ حصہ اول۔ ۳۵ رپے/ ہدیہ حصہ دوم۔ ۲۰ رپے/ ہدیہ حصہ سوم۔ ۲۰ رپے/ ہدیہ حصہ چہارم۔ ۳۰ رپے
ہدیہ حصہ پنجم۔ ۲۵ رپے/ ہدیہ حصہ ششم۔ ۲۵ رپے/ ہدیہ حصہ ہفتم۔ ۳۰ رپے/ ہدیہ حصہ ہشتم۔ ۲۰ رپے

عربی زبان کے دس سبق

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی نے صرف دس اسباق میں عربی زبان سیکھنے کا نہایت آسان طریقہ لکھا ہے، جس کی مدد سے عربی زبان سے اتنی واقفیت ہوجاتی ہے کہ قرآنِ حکیم سمجھ کر پڑھ لیا جائے۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں رسالہ ہمدرد نونہال میں شائع شدہ عربی سکھانے کا سلسلہ

عربی زبان سیکھو

بھی شامل کردیا گیا ہے، جس سے عربی زبان سیکھنے میں اور زیادہ مدد ملتی ہے۔

عربی سیکھ کر دین کا علم حاصل کیجیے

۹۶ صفحات، خوب صورت رنگین ٹائٹل۔ قیمت صرف پچھتّر (۷۵) رپے

ملنے کا پتا: ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

عبداللطیف چاچڑ، کشمور — سیدہ مناہل حسن عابدی، پنڈ دادن خان

نادیہ اقبال، کراچی — محمد تیمور علی، کراچی

سمیعہ توقیر، کراچی — کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

عدنان رفیع، کراچی

مطالعہ کیسے کریں

عبداللطیف چاچڑ، کشمور

ہمدرد نونہال آج سے تقریباً ۶۳ سال پہلے شہید حکیم محمد سعید نے جاری کیا تھا۔ اس کا بنیادی مقصد قوم کے نونہالوں یعنی مستقبل کے معماروں کی اچھی طرح تربیت کرنا تھا۔

وہ چاہتے تھے کہ ان میں علم کی دولت پانے اور وطن کی خدمت کرنے کا جذبہ پروان چڑھے۔ طالب علموں کو زندگی کے ہر شعبے کے متعلق اور اپنی روشن تاریخ کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔

الحمدللہ ! ہمدرد نونہال آج تک ہر مہینے باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور کبھی ناغہ بھی نہیں ہوا۔

میں یہاں چند باتیں تحریر کر رہا ہوں کہ ہمیں ہمدرد نونہال یا دوسرے رسالوں اور کتابوں کا مطالعہ کس طرح کرنا چاہیے:

☆ مطالعہ کرنے سے پہلے یہ دھیان رکھنا چاہیے کہ مطالعہ کرنے کی وجہ سے ہماری نمازیں قضا نہ ہوں۔

☆ پہلے امی ابو کے بتائے ہوئے کام اور اسکول کا ہوم ورک مکمل کر لیا گیا ہو۔

☆ مطالعہ اس جگہ کیا جائے جہاں

ماحول بالکل پُر سکون ہو۔ شور شرابے کی وجہ سے مطالعے کے دوران یکسوئی قائم نہیں رہ پاتی۔

☆ مطالعہ کرنے کے دوران رسالے یا کتاب پر نشان وغیرہ نہ لگائیں۔ جو الفاظ سمجھ میں نہ آئیں انھیں علاحدہ کاغذ پر لکھ لیں، پھر لغت میں ان کا مطلب سمجھ کر ذہن نشین کرلیں۔

☆ مطالعے کے وقت رسالے پر جھک کر یا لیٹ کر نہیں، بلکہ سیدھی حالت میں بیٹھنا چاہیے۔ آنکھوں اور رسالے کے درمیان ایک فٹ کا فاصلہ ہونا چاہیے۔

☆ مطالعہ زیادہ مدھم روشنی میں بھی نہیں کرنا چاہیے۔

☆ کوئی تحریر مکمل پڑھ لینے کے بعد اس پر غور کرنا چاہیے کہ مصنف اس میں کیا کہنا چاہتا ہے یعنی تحریر لکھنے کا مقصد کیا ہے، اس میں کیا سبق پوشیدہ ہے۔

ابو عبداللہ ابنِ بطوطہ

نادیہ اقبال، کراچی

ابو عبداللہ ابنِ بطوطہ فروری ۱۳۰۴ء کو مراکش کے ایک ساحلی شہر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر میں حاصل کی تقریباً ۱۹ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لیے انھوں نے اپنا گھر چھوڑا اور دنیا کے مختلف مما لک کے سفر کیے۔ پہلے پہل وہ مصر اور شام کے راستے جزیرۂ عرب پہنچے حج ادا کرنے اور مقدس مقامات کی زیارت کے بعد انھوں نے ایشیا، روس، ترکی کے سفر کیے، اور پھر ہندستان اور افغانستان آگئے۔ اس وقت محمد تغلق ہندستان کے فرمانروا تھے۔ محمد تغلق عالموں کی بہت قدر کیا کرتا تھا۔ اس نے ابو عبداللہ ابنِ بطوطہ کے لیے بہت عزت اور احترام کا مظاہرہ کیا اور انھیں دہلی کا قاضی مقرر کیا۔

دہلی میں ابنِ بطوطہ، مولانا بدرالدین کے نام سے مشہور تھے۔ بادشاہ سے کچھ اختلاف ہوگیا تو اس نے ابنِ بطوطہ کو سفیر کے طور پر چین بھیجا۔ سفر کے دوران بحری جہاز تباہ ہوگیا۔ وہ بادشاہ کے خوف سے بہت پریشان تھے، اس لیے وہ دہلی واپس آنے کے بجائے مالدیپ چلے گئے۔ جہاں پر ان کو قاضی مقرر کر دیا گیا۔ انھوں نے سری لنکا، ڈھاکا، جاوا کا سفر کیا اور پھر چین پہنچ گئے۔ چین سے وہ سماٹرا، جاوا، کالی کٹ، عرب، شام اور مصر سے ہوتے ہوئے اپنے آبائی گھر جا پہنچے۔ انھوں نے تقریباً تیس سال سیاحت کی۔ انھوں نے افریقا اور ایشیا کے بہت سے علاقوں کے دورے کیے۔ اپنے سفر میں اس نے بغور مشاہدات کیے۔ جن علاقوں کی انھوں نے سیاحت کی ان کا ذکر انھوں نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔ چین کے بارے میں ابنِ بطوطہ نے لکھا ہے کہ یہ بہت پُرسکون ملک ہے اور اس کی سڑکیں بہت محفوظ تھیں۔ یہیں پر کاغذ کا سکہ متعارف کرایا گیا۔ چین کے مسلمان مکمل طور پر مذہبی آزادی سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ مسلمانوں کے معاملات مسلمان قاضی ہی حل کرتے تھے۔ اکثر مسلمان تاجر تھے۔ ابنِ بطوطہ کے سفر نامے دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ ابنِ بطوطہ ۱۳۷۸ء میں اپنے آبائی شہر میں فوت ہوئے اور ان کو وہیں دفن کیا گیا۔

سچائی کی طاقت

سمیعہ توقیر، کراچی

ایک آدمی نے نہایت شوق سے گھر کے پاس ایک خوب صورت سا باغ لگا رکھا تھا۔ وہ روزانہ خود اس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ایک دن وہ کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا کہ اس کا چھوٹا بیٹا ہاتھ میں کلہاڑی لے کر

باغ کی سیر کو نکلا اور اس نے کلہاڑی کو آزماتے ہوئے ایک سب سے اچھا درخت کاٹ دیا۔

جب شام کو باپ نے آ کر باغ کو دیکھا تو اس درخت کو کٹا ہوا پا کر اسے بہت غصہ آیا اور وہ ہر ایک سے پوچھنے لگا کہ یہ درخت کس نے کاٹا ہے؟ اسی دوران اس کا بیٹا بھی آ گیا۔ باپ نے اس سے پوچھا تو اس نے صاف گوئی سے کام لیا اور کہا: ''آپ ناراض تو ہوں گے، مگر میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ یہ درخت میں نے کاٹا ہے۔''

باغ کا شوقین باپ پہلے تو سخت غصے میں تھا، مگر بیٹے کے اس طرح سچ بولنے پر نہایت خوش ہوا اور کہا: ''بیٹا! مجھے تمھاری سچائی سے اتنی خوشی ہوئی کہ درخت کٹ جانے کا غم اس کے سامنے کچھ نہیں۔ شاباش! زندگی میں اسی طرح سچ بولنا اور کبھی بھی جھوٹ کا سہارا نہ لینا۔''

باپ کے اس طرح معاف کر کے شاباش دینے کا بیٹے کے دل پر اتنا اچھا اثر ہوا کہ اس نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہ بولا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی سچائی سارے علاقے میں مشہور ہو گئی۔

اس لڑکے کا نام جارج واشنگٹن تھا۔ وہی امریکا جیسے بڑے ملک کا سب سے پہلا صدر بنا۔ امریکا کے صدر مقام کا نام بھی اسی کے نام پر رکھا گیا ہے۔

بلّی

سیدہ مناہل حسن عابدی، پنڈ دادن خان

مناہل نے تھی بلّی پالی
دُم تھی اس کی لمبی کالی
باقی رنگ تھا اس کا سفید
اللہ ہی جانے اس کے بھید
کھاتی تھی وہ دودھ میں روٹی
وہ بھی تھی خاصی موٹی

اس کے گلے میں تھی اک مالا
شیر کی وہ لگتی تھی خالہ
دوست تھا اس کا باگڑ بلا
کرتا تھا جو ہلا گلا
ایک دن اس کا جی للچایا
اپنے گھر کا مرغا کھایا
مناہل نے تب اس کو مارا
دونوں ہوئے نو دو گیارہ
مناہل کا ہے یہ پیغام
بُرے کام کا بُرا انجام

اُڑنے والا گھوڑا

محمد تیمور علی، کراچی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایران کا بادشاہ بہت خوش تھا۔ اس نے ایک شان دار جشن منانے کا اعلان کیا۔ جشن کے موقع پر اس نے رعایا کو بہت اچھے تحفے دیے۔ لوگوں نے بھی بادشاہ کو قیمتی تحفے پیش کیے۔ بڑے بڑے کاریگر بادشاہ کے لیے اپنی کاریگری کے بہت عمدہ نمونے لائے۔ ان میں ایک ماہر کاریگر بھی تھا۔ اس کاریگر نے بادشاہ کی خدمت میں لکڑی کا بنا ہوا ایک گھوڑا پیش کیا۔ بادشاہ نے پوچھا: ''اس گھوڑے میں بھلا کیا خاص بات ہے؟ لکڑی کا گھوڑا ہے، جس پر سونے چاندی کے پھول بنے ہوئے ہیں۔ یہ کام تو دوسرا کاریگر بھی کرسکتا ہے۔''

کاریگر نے کہا: ''حضور! آپ اسے معمولی نہ سمجھیے، اس گھوڑے میں ایک ایسا پُرزہ ہے جسے گھمانے سے یہ گھوڑا آسمان کی طرف اُڑ جاتا ہے۔ دوسرا پُرزہ گھمانے سے گھوڑا زمین پر اُتر آتا ہے۔''

یہ سن کر بادشاہ بہت حیران ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے شہزادہ فیروز شاہ سے کہا: ''تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا ہمیں یہ گھوڑا خرید لینا چاہیے؟''

شہزادے نے کہا: ''ابا حضور! پہلے میں

آزمانا چاہتا ہوں کہ یہ گھوڑا اُڑ سکتا ہے یا نہیں۔"

بادشاہ نے اسے گھوڑے کو آزمانے کی اجازت دے دی۔ شہزادے نے گھوڑے پر بیٹھ کر پُرزہ گھمایا تو گھوڑا ہوا میں اُڑنے لگا۔ آن کی آن میں گھوڑا اتنی بلندی تک جا پہنچا کہ سب کی نظر سے اوجھل ہو گیا۔

کاریگر نے بادشاہ سے کہا: "حضور! شہزادے نے مجھ سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ گھوڑے کو زمین پر اُتارنے کا پیچ کہاں ہے؟"

بادشاہ یہ سن کر گھبرا گیا۔ اس نے کہا: "ارے تُو نے اسے پہلے کیوں نہ بتایا کہ واپسی کا پُرزہ کہاں ہے؟ اب ہمارا شہزادہ کیسے واپس آئے گا؟"

بادشاہ نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کاریگر کو لے جاؤ اور قید خانے میں ڈال دو۔ جب تک شہزادہ واپس نہ آئے ہم اسے رہا نہیں کریں گے۔ سپاہیوں نے کاریگر کو قید خانے میں ڈال دیا۔ ملک بھر میں جشن کی خوشی غم میں تبدیل ہو گئی اور تمام رعایا اور بادشاہ شہزادے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔

اِدھر شہزادہ بہت دیر تک ہوا میں اُڑتا رہا۔ اسے بہت مزہ آ رہا تھا اور وہ دل ہی دل میں کاریگر کی تعریف کر رہا تھا کہ اس نے کتنا اچھا اُڑنے والا گھوڑا بنایا، جب بہت دیر ہو گئی سورج ڈوبنے لگا تو شہزادے نے گھوڑے کو زمین پر اُتارنے کا ارادہ کیا اس نے پُرزے کو اُلٹا گھمایا۔ جس سے گھوڑا ہوا میں اُڑنے لگتا تھا، لیکن گھوڑے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب تو شہزادہ پریشان ہو گیا۔ وہ بہت پچھتایا کہ اس نے اُڑنے سے پہلے کاریگر سے تمام کلوں اور پُرزوں کے بارے میں معلومات کیوں نہیں حاصل کیں۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور گھوڑے کے ہر حصے کو دیکھا۔ آخر گھوڑے کے کان کے پیچھے شہزادے کو ایک چھوٹا سا

پُرزہ نظر آیا۔ شہزادے نے پُرزہ دبایا تو گھوڑا آہستہ آہستہ زمین کی طرف اُترنے لگا اور شہزادے نے اطمینان کا سانس لیا۔ آدھی رات کے وقت گھوڑے کے پاؤں زمین پر لگے۔

شہزادے نے گھوڑے سے اُتر کر اِدھر اُدھر نظر ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ کسی دوسرے ملک کے ایک خوب صورت محل کی چھت پر کھڑا ہے۔ چھت پر اسے سیڑھیاں نظر آئیں جو محل کے اندر اُترتی تھیں۔

شہزادے نے سوچا اگر میں سیڑھیوں سے اُتر کر محل میں گیا تو ہوسکتا ہے کہ پہرے دار ایک اجنبی کو دیکھ کر حملہ کردیں۔ آخر اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ زور زور سے ہنستا ہوا سیڑھیاں اُتر کر محل میں داخل ہو تو کوئی اس پر حملہ نہیں کرے گا، کیوں کہ ہنستے ہوئے آدمی پر کوئی حملہ نہیں کرتا جب تک اس کے ہنسنے کی وجہ نہ پوچھ لی جائے۔

شہزادہ فیروز ہنستا ہوا سیڑھیاں اُترنے لگا۔ یہ سیڑھیاں اس ملک کی شہزادی کی خواب گاہ میں ختم ہوتی تھیں۔ شہزادہ خواب گاہ میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک نہایت حسین شہزادی ہیرے جواہرات سے جڑی سونے کی مسہری پہ سو رہی ہے۔ شہزادے کو وہ شہزادی بہت پسند آئی۔ اس نے مسہری کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ کر آہستہ سے شہزادی کو جگایا۔ شہزادی پہلے تو اپنی خواب گاہ میں ایک اجنبی کو دیکھ کر ڈر گئی، مگر جب شہزادے نے اسے اپنی تمام داستان سنائی تو وہ حیران ہوئی۔ اس نے شہزادے سے کہا: ''آپ سارا دن کے بھوکے پیاسے ہوں گے۔ اب صبح تک انتظار کیجیے، ناشتا کر کے جائیے گا، بلکہ بہتر ہوگا کہ آپ ہمارے محل میں کچھ دن آرام کرلیں۔''

شہزادہ فیروز کچھ دن شہزادی کا مہمان رہا۔ شہزادی نے اس کی خوب خاطر تواضع کی اور اسے بہت مزے دار کھانے کھلائے۔ وہ ہر روز اسے سیر و تفریح کے لیے بھی لے جاتی تھی۔ شہزادہ وہاں اتنا خوش تھا کہ وہ اپنے وطن اور ماں باپ کو بھول گیا تھا۔

آخر ایک دن شہزادی نے اس سے کہا: ''شہزادے! میں آپ کے یہاں رہنے سے بہت خوش ہوں، دل چاہتا ہے کہ آپ کبھی واپس نہ جائیں، لیکن سوچتی ہوں کہ آپ کو اپنا گھر یاد آتا ہوگا۔''

شہزادے نے کہا: ''پیاری شہزادی! بے شک میں اپنے وطن واپس جانا چاہتا ہوں، لیکن تمھیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ کیا تم مجھ سے شادی کرنا پسند کرو گی؟''

شہزادی نے فیروز شاہ سے شادی کرنا قبول کرلیا۔ شہزادہ اور شہزادی دونوں کل پُرزوں والے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ شہزادے نے گھوڑے کا رُخ اپنے ملک کی طرف موڑا اور اُڑنے والی کل گھمائی۔ گھوڑا فوراً ہوا میں پرواز کرنے لگا۔ گھوڑا زیادہ بلندی پر نہیں تھا۔ اُڑتے ہوئے شہزادے نے اپنے ملک کو پہچان لیا اور زمین پر اُترنے کا پیچ گھمایا تو گھوڑا زمین پر اُتر آیا۔ بادشاہ شہزادے کی واپسی پر بہت خوش ہوا اور اس نے غریبوں میں خیرات تقسیم کی اور ایک بہت بڑے جشن کا انتظام کیا۔ بادشاہ نے کاریگر کو قید سے آزاد کر کے اس کا گھوڑا بھی خرید لیا اور اس کے علاوہ بہت سے تحفے دے کر رخصت کر دیا۔

رکشا ڈرائیور

کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

اسلم ایک رکشا ڈرائیور تھا۔ سارا دن شہر بھر میں پھرنا اسے بالکل پسند نہ تھا، لیکن وہ مجبور تھا۔ وہ ہر وقت کسی نئے کاروبار کے

خیال میں مگن رہتا۔ ایک دن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک آدمی اسلم کے رکشے میں سوار ہوا۔ جاتے وقت وہ اپنا بیگ بھول گیا۔ کچھ آگے جا کر اسلم نے دیکھا کہ ایک بیگ پڑا ہے جب اس نے وہ بیگ کھولا تو اس کی آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں، کیوں کہ اس بیگ میں بڑے نوٹوں کی کئی گڈّیاں تھیں۔ اسلم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا کہ وہ پیسے واپس کر دے مگر شیطان کے بہکاوے میں آ کر اسلم کا ضمیر ہار گیا۔ اسلم نے سوچا کیوں نہ ان پیسوں سے کوئی کاروبار شروع کیا جائے اس نے ایک کرائے کی دکان میں کپڑوں کا کاروبار شروع کیا۔ ہر کوئی حیران تھا کہ اسلم کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے۔

اسلم کا کاروبار آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگا اس نے کرائے والی دکان بھی خرید لی۔ اس نے دکان میں کام کرنے کے لیے ملازم بھی رکھ لیے تھے اور جلد ہی اسلم کی گاڑی خریدنے کی خواہش بھی پوری ہوگئی اور اس نے ایک خوب صورت سی گاڑی بھی خرید لی۔

ایک دن اسلم کو کچھ ضروری کاغذات اور کچھ پیسے بینک میں جمع کرانے جانا تھا، مگر گاڑی میں اس کے بیوی بچے گھومنے گئے ہوئے تھے۔ اسلم کو مجبوراً رکشے سے جانا پڑا اور غلطی سے وہ دکان کے کاغذات اور پیسے رکشے میں ہی بھول گیا۔ بہت کوشش کے باوجود رکشے والا نہ ملنا تھا نہ ملا۔ پریشان حال میں جب وہ گھر پہنچا تو اسے اطلاع ملی کی اس کی دکان میں آگ لگ گئی ہے۔ دکان سمیت سارا سامان جل کر راکھ ہوگیا ہے۔ جو کچھ بچا تھا، وہ قرض کی ادائی میں ختم ہوگیا۔ اسلم اپنی پرانی حالت میں واپس آ کر پھر رکشا چلانے لگا۔ اسلم کی

کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ اس نے وہ پیسے رکھ کر اچھا نہیں کیا۔

بھیڑ اور بھیڑیا

عدنان رفیع، کراچی

پانی کے ایک چشمے پر ایک بھیڑیا پانی پی رہا تھا۔ پانی پیتے ہوئے اس کے کانوں میں کسی اور کے پانی پینے کی آواز آئی۔ اس نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو بھیڑ کا ایک چھوٹا سا بچہ ذرا فاصلے پر اسی چشمے سے پانی پی رہا تھا۔ بھیڑ کے بچے کو دیکھ کر بھیڑیے کے منھ میں پانی آ گیا۔ اس نے سوچا کہ کسی طور اس بھیڑ کے بچے کو ہڑپ کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر اس نے ڈانٹ کر کہا: ''یہ کیا کر رہا ہے۔ دیکھتا نہیں کہ میں پانی پی رہا ہوں اور تُو اسے گدلا کر رہا ہے۔''

بھیڑ کے بچے نے لجاجت اور حیرانی سے کہا: ''جناب! پانی کا بہاؤ آپ کی جانب سے میری طرف آ رہا ہے۔ میں آپ کا گدلا کیا ہوا پانی پی رہا ہوں۔ پھر بھی معافی کا طلب گار ہوں۔''

بھیڑیے نے اپنا وار خالی جاتے دیکھا تو دوسری ترکیب نکالی، کہنے لگا: ''تُو بہت بدتمیز ہے۔ ایک سال پہلے اسی جگہ تُو مجھے بُرا بھلا کہہ کر بھاگ گیا تھا۔''

بھیڑ کا بچہ بولا: ''جناب! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میری عمر تو صرف چھے مہینے ہے۔''

بھیڑیا بہت غصے میں آ گیا۔ وہ تو چاہ رہا تھا کہ کسی بہانے بھیڑ کے بچے کو ہڑپ کر ڈالے۔ اس بار وہ غُرّا کر بولا: ''وہ تُو نہیں تو تیرا باپ ہوگا، جس نے میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔''

بھیڑ کا بچہ بولا: ''جناب! میرے باپ کی سزا مجھے کیوں دیتے ہیں۔''

بھیڑیا یہ سن کر غصے میں آ گیا۔ اس نے بھیڑ کے بچے کو مار ڈالا۔ سچ ہے طاقتور کے سامنے کم زور کی نہیں چلتی۔ ☆

”پاکستان کے لیے جان بھی قربان“

شہیدِ ملت اور شہیدِ پاکستان

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... رپورٹ : حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں محترم فضل ستار خان اور انعام یافتہ نونہال

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں مہمانِ خصوصی منیجنگ ڈائریکٹر پرنٹنگ کارپوریشن پاکستان، محترم فضل ستار خان تھے۔ نائب صدر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان محترمہ ڈاکٹر ماہم منیر احمد نے اجلاس میں خصوصی شرکت کی۔ رکنِ شوریٰ ہمدرد اور معروف براڈ کاسٹر و اسکالر جناب نعیم اکرم قریشی بھی اجلاس میں شریک ہوئے۔ اجلاس کا موضوع تھا:

پاکستان کے لیے جان بھی قربان شہیدِ ملت اور شہیدِ پاکستان

نونہال عائشہ اسلم نے اسپیکر کے فرائض انجام دیے۔ مناحل شہزاد نے تلاوتِ قرآن مجید، طیب شہزاد نے حمدِ باری تعالیٰ اور ابوہریرہ نے نعتِ رسولِ مقبولؐ پیش کی۔

نونہال مقررین میں حجاب زہرا، ماہ نور نعیم، شہیر سرفراز، طلحہ گلزار اور رطابہ ساجد شامل تھیں۔ ان نونہالوں نے شہیدِ ملت خان لیاقت علی خان اور شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کو ان کی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کیا اور ان کے افعال و اقوال کی روشنی میں وطن کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کے عزم کا اظہار کیا۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے اپنے پیغام میں کہا کہ مسئلہ آزادی کے حصول کا ہو یا آزادی کی حفاظت کا۔ اس کا حل قربانی میں پوشیدہ ہے۔ وقت کی قربانی، مال و دولت کی قربانی، عیش و آرام کی قربانی، ذاتی خواہشات و مفادات کی قربانی، حتیٰ کہ اس راہ میں بوقتِ ضرورت جان تک کی قربانی بھی شامل ہے۔ آپ نے اپنے بزرگوں سے سُنا اور کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ پاکستان کا وجود میں آنا ہزاروں، لاکھوں جانوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ اکتوبر کا مہینا ہمیں ایسی ہی دو لازوال قربانیوں کی یاد دلاتا ہے۔ ۱۶- اکتوبر، شہیدِ ملت لیاقت علی خاں اور ۱۷- اکتوبر، شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کی اپنے پیارے وطن سے محبت اور اس محبت میں جان سے گزر جانے کی تاریخیں ہیں۔

اجلاس میں خصوصی شریک محترم نعیم اکرم قریشی نے کہا کہ حکیم محمد سعید کی خدمات میں اردو کی ترویج و تشہیر بھی ایک خصوصی مقام رکھتی ہے۔ آپ نے قومی زبان کے ساتھ اپنی محبت اپنے کام سے ثابت کی۔ شہیدِ ملت اور شہیدِ پاکستان نے وطن سے وفا کی اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ان عظیم ہستیوں کی زندگی اور افعال کی پیروی سے ہماری کام یابی اور ترقی کی راہیں متعین ہوں گی۔

اجلاس کے مہمانِ خصوصی محترم فضل ستار خان نے کہا کہ اگر ہم خود کو بدلنا چاہتے ہیں تو سچ کو اپنائیں اور ہر شخص دوسرے پر تنقید کرنا چھوڑ دے اور اپنے وقت کا بہترین استعمال کرے، یقیناً اس سے معاشرے میں مثبت تبدیلی آئے گی۔

اس موقع پر مختلف اسکولوں کے نونہالوں نے ایک خصوصی نظم، ایک سبق آموز خاکہ اور ایک رنگا رنگ ٹیبلو پیش کیا۔ انعامات تقسیم ہونے کے بعد آخر میں دعاے سعید پیش کی گئی۔ ☆

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

مصوری کے فن میں مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، ان میں ایک طریقہ ''DRY BRUSH'' کہلاتا ہے۔ اس طریقے سے تصویر میں ایک کے اوپر دوسرے کئی رنگوں کی آمیزش سے کسی منظر کو واضح کیا جاسکتا ہے۔ اس طریقے میں برش پر ہلکا سا پانی لگا کر رنگ لگائیں اور برش کی نوک سے ہلکے ہاتھ سے کاغذ پر رنگ لگائیں۔ جیسے اس تصویر میں جھاڑیوں کے تین مختلف SHADES دکھائے گئے ہیں۔ ان کو سامنے رکھتے ہوئے مشق کریں۔ ☆

بلاعنوان انعامی کہانی

خلیل جبار

ایک جھٹکے سے گھر کا دروازہ کھلا اور دو نوجوان جنھوں نے چہروں کو رومال سے چھپایا ہوا تھا، گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ گھر والے دو نقاب پوشوں کو گھر میں گھستا دیکھ کر بوکھلا گئے۔

دادا جان ابھی ابھی فجر کی نماز پڑھ کر گھر میں داخل ہوئے تھے۔ وہ شاید دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے، جس کا ان دونوں نوجوانوں نے فائدہ اُٹھایا تھا۔ امی جان کچن میں ناشتا بنانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ ابا جان ابھی ابھی منھ ہاتھ دھو کر فارغ ہوئے تھے۔

"خبردار! کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے، ورنہ گولیوں سے بھون کر رکھ دیں گے۔"

ایک نوجوان بولا۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ابا جان انھیں دیکھ کر بوکھلا گئے تھے۔ کچن سے جھانکتی امی جان بھی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ دادا جان بظاہر خود کو مطمئن رکھے ہوئے تھے، لیکن وہ دل ہی دل میں خوف زدہ تھے۔

وہ روزانہ فجر کی نماز پڑھ کر آتے ہی دروازے کو اچھی طرح سے کنڈی لگا دیا کرتے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دروازے کو لاک کرنے کی بجائے محض بند کر آئے تھے، جس کا ڈاکوؤں کو فائدہ ہو گیا تھا۔

بچے بھی ان کی آواز سن کر بیدار ہو چکے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ ایک ڈاکو نے آگے بڑھ کر دادا جان کی کنپٹی پر پستول لگا دیا۔

"تم لوگوں نے زیادہ چالاکی دکھانے کی یا شور مچانے کی کوشش کی تو میں گولی

چلانے میں ذرا بھی دیر نہ لگاؤں گا۔'' وہ بولا۔

''ہم کسی بھی قسم کی چالاکی نہیں دکھا رہے ہیں، مہربانی کر کے میرے والد کی کنپٹی پر سے پستول ہٹا دو۔'' ابا جان نے کہا۔

''زیادہ چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرو، یہ پستول ایسے ہی کنپٹی پر لگا رہے گا، تاکہ تم ہمارے مطالبات ماننے کو تیار ہو جاؤ۔'' وہ بولا۔

''عبدالرحمٰن بیٹے! یہ پستول میری کنپٹی پر لگا رہنے دو۔'' دادا جان نے کہا۔

''ابا جان! بے خیالی میں پستول سے گولی بھی چل سکتی ہے۔'' ابا جان نے کہا۔

''بے فکر رہو، یہ کھلونا پستول میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' یہ کہتے ہوئے دادا جان نے ڈاکو سے پستول چھین کر توڑ ڈالا۔

پستول کا ٹوٹنا تھا کہ دونوں ڈاکوؤں کے ہاتھ پیر پھول گئے، جس کے ہاتھ میں پستول تھا، وہ تیزی سے دروازے کی طرف دوڑ گیا۔ دوسرے نے بھاگنے کی کوشش کی تو دادا جان نے اپنی ٹانگ آگے کر دی۔ وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ ابا جان نے اس نوجوان کو دبوچ لیا۔ دادا جان نے اس کے چہرے سے نقاب اُتار دیا۔

''تم ہمیں لوٹنے آئے تھے، بولو اب کیا کرو گے؟''

''مجھے معاف کر دیں، آیندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ نوجوان گڑگڑایا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے ہم تمھیں پولیس کے حوالے کریں گے۔'' ابا جان نے کہا۔

''ایسا نہیں کرنا، ورنہ میرا قیمتی سال ضائع ہو جائے گا۔'' نوجوان بولا۔

''تمھارا قیمتی سال کیسے ضائع ہو جائے گا؟ وہ تو طالب علموں کے ضائع ہوتے

ہیں۔'' دادا جان نے کہا۔

''ہاں میں بھی ایک طالب علم ہوں۔ ایم اے فائنل کی فیس بھرنے کے لیے جرم کر رہا تھا۔''

''کیا......؟'' دادا جان چونکے، تم نے امتحانی فیس ادا کرنے کے لیے ڈاکے کی کوشش کی تھی۔

''ہاں میں نے بہت کوشش کی تھی کہ امتحانی فیس جمع ہو جائے۔ میرے پاس اتنے پیسے جمع بھی ہو گئے تھے کہ فیس ادا ہو جائے، لیکن اچانک والدہ کی طبیعت خراب ہو گئی اور فیس کے لیے جمع کیے ہوئے پیسے علاج پر خرچ ہو گئے۔ میں نے اپنے ایک دوست سے اس بات کا ذکر کیا تو اس نے مجھے یہی مشورہ دیا کہ نقلی پستول مارکیٹ میں بہت ملتے ہیں۔ اُس پستول کو دیکھ کر اصلی پستول کا گمان ہوتا ہے، لہٰذا ہم دونوں نے پیسوں کے لیے ڈاکے ڈالنے کا پروگرام بنایا، لیکن پہلی کوشش میں ہی ناکام ہو گئے۔'' اس نے کہا۔

''اناڑی، اناڑی ہی ہوتا ہے۔ تم نے میری کنپٹی پر پستول لگا کر اپنے اناڑی ہونے کا ثبوت دے دیا۔ لوہے کا پستول ٹھنڈا ہوتا ہے اس کے مقابلے میں ربڑ سے تیار کردہ پستول گرم محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات میں نے پولیس کے محکمے میں رہتے ہوئے سیکھی تھی۔

''تم جرم کرنے کے ارادے سے گھر میں داخل ہوئے، اس لیے تمھیں پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا۔'' ابا جان نے کہا۔

''نہیں خدا کے لیے ایسا نہ کریں، میرا قیمتی سال ضائع ہونے سے بچالیں۔'' وہ بولا۔

''اسے چھوڑ دو بیٹے! خواہ مخواہ اس کا قیمتی سال ضائع ہو جائے گا۔'' دادا جان نے کہا۔

''نہیں دادا جان! اسے ہرگز نہ چھوڑیں، ورنہ یہ کسی اور کے گھر میں گھس کر ڈاکا ڈالے گا۔'' پوتی سلمہ نے کہا۔

''ہاں دادا جان! سلمہ باجی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' پوتے نوید میاں بھی بول اُٹھے۔

''دل تو میرا بھی چاہ رہا ہے کہ اسے جرم کی سزا ملے، لیکن اس کے جیل جانے پر اس کا قیمتی سال ضائع ہو جائے گا۔ جیل کے ماحول میں رہ کر جب یہ سزا کاٹ کر آئے گا تو اس پر سزا یافتہ ہونے کا داغ لگ جائے گا اور پھر یہ بھی دوسرے ملزمان کی طرح زندگی گزارے گا۔ مجھے یہ ہرگز گوارا نہیں ہے۔ کیا نام ہے تمھارا؟'' دادا جان نے پوچھا۔

''کامران۔''

''کامران! یہ کچھ رقم ہے، اس سے اپنی امتحانی فیس ادا کر دینا۔ جو بچ جائے اس سے اپنی دوسری ضرورتیں پوری کر لینا۔'' دادا جان نے کچھ رقم کامران کی جیب میں زبردستی رکھتے ہوئے کہا۔

''دادا جان! یہ کیا کر رہے ہیں؟'' سلمان نے دادا جان کو کامران کی جیب میں رقم رکھتا دیکھ کر حیرت سے کہا۔

''کامران کو اس وقت ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ اس کی مدد کرنے سے اس کا مستقبل تاریک ہونے سے بچ جائے تو یہ بہت بڑی نیکی ہوگی اور ہاں کامران بیٹے! دیکھو آیندہ اس طرح کی حرکت نہیں کرنا، کیوں کہ ایک دفعہ سزا کا داغ لگنے کے بعد نہیں دُھلتا۔ پیسوں کی ضرورت پڑ بھی جائے تو اس طرح کی حرکت کرنے کے بجائے میرے پاس آ جانا میں تمھیں اور پیسے دے دوں گا۔'' دادا جان نے کہا۔

''بے فکر رہیں آیندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' کامران نے انھیں یقین دہانی کرائی۔

ابا جان بھی حیرت سے دادا جان کے اس عمل کو دیکھ رہے تھے، مگر ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ والد صاحب کو اس عمل سے روک سکیں۔ کامران پیسے مل جانے پر خاموشی سے چلا گیا۔ دادا جان کا فیصلہ کسی کو بھی پسند نہیں آیا تھا۔ سب کی یہی خواہش تھی کہ کامران کو پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے، کیوں کہ وہ کسی طرح بھی ہمدردی کا مستحق نہیں تھا۔

اُس واقعے کو کئی سال بیت گئے، لیکن جب بھی دورانِ گفتگو اس واقع کا ذکر آجاتا تو سب کی متفقہ رائے یہی ہوتی تھی کہ دادا جان نے اچھا نہیں کیا۔ اسے سزا ملنی چاہیے تھی۔ وہ امداد کا کسی طرح سے مستحق نہیں تھا۔ دادا جان انھیں سمجھاتے تھے کہ ان کا یہ عمل درست تھا۔

ایک دن صبح ہی سے وقفے وقفے سے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ موسم کا صحیح لطف اُٹھانے کے لیے امی جان نے پکوڑے اور چائے کا انتظام کر لیا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیں گر رہی تھیں۔ ایسے میں پکوڑے اور چائے کا دور چل رہا تھا اور سب بھرپور لطف اُٹھا رہے تھے۔ اچانک دروازہ بجنے پر وہ چونکے۔

''اس وقت ایسی بارش میں کون آ گیا؟'' امی جان نے کہا۔

عدنان اُٹھ کر دروازے پر گیا اور پھر آ کر بتایا کہ کوئی نوجوان دادا جان سے ملاقات کرنے آیا ہے۔ دادا جان اُٹھ کر دروازے پر گئے اور پھر اس نوجوان کو ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ وہ نوجوان بہترین لباس میں ملبوس تھا۔ اسے دیکھ کر سب چونکے۔ وہ سب کے لیے اجنبی تھا۔ اسے دیکھ کر سبھی حیران تھے کہ دادا جان اسے اندر کیوں لے آئے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا بھی تھا، جو اس نے دادا جان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''تم سب یقیناً حیران ہو رہے ہو گے کہ یہ کون نوجوان ہے، جسے میں تم سے ملانے لے آیا ہوں۔'' دادا جان نے کہا۔

وہ سب کچھ بولے نہیں بس حیرت سے کبھی نوجوان کو کبھی دادا جان کو دیکھ رہے تھے۔

''ارے بھئی زیادہ پریشان نہ ہو میں بتائے دیتا ہوں۔ یہ کامران ہے۔ اسے پولیس کے حوالے نہ کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ اس نے اچھے نمبروں سے نہ صرف ایم اے پاس کرلیا، بلکہ ایک سرکاری محکمے میں افسر بھی لگ گیا ہے۔ نوکری لگنے کی خوشی میں مٹھائی کا ڈبا لایا ہے۔'' دادا جان نے بتایا۔

دادا جان کے اس انکشاف پر سب حیرت زدہ رہ گئے۔ آج تک وہ دادا جان کے فیصلے کو غلط کہتے رہے تھے، لیکن وقت نے ثابت کردیا تھا کہ ان کا خیال درست تھا، جس کی وجہ سے ایک نوجوان مجرم بننے سے بچ گیا تھا۔

☆☆☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۷۷ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸-دسمبر ۲۰۱۵ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔
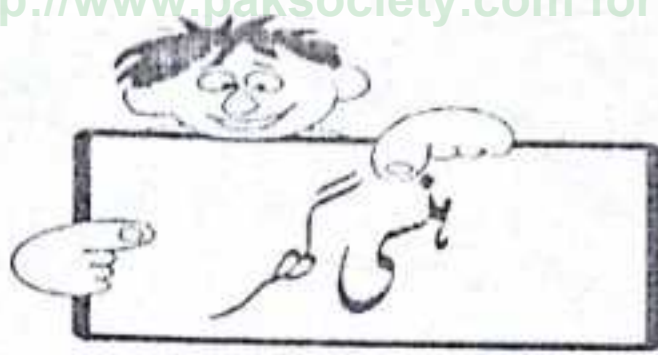
😊 ایک ہوٹل میں ریڈیو تیز آواز میں بج رہا تھا۔ اس وقت ریڈیو سے کرکٹ پر رواں تبصرہ نشر ہو رہا تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ اپنے کھانے کے لیے آوازیں بھی لگا رہے تھے۔ اب لوگوں کے کانوں میں اس طرح کے جملے سنائی دے رہے تھے:

''چھوٹے پانچ کپ چائے اور دو رن، شان دار چھکا لگا کر ایک پلیٹ چاول، باؤنڈری لائن سے باہر چار آملیٹ، دو چائے کیچ آؤٹ، دو پراٹھے اور ایک انڈا رن آؤٹ۔''

مرسلہ : دانیا فاطمہ، واسعہ فاطمہ، حیدرآباد

😊 دو دوست سیر کی غرض سے جنگل میں گئے۔ اچانک ان کے سامنے ایک شیر آ گیا۔ پہلے دوست نے شیر کی آنکھوں میں مٹی پھینکی اور دوسرے دوست سے بھاگنے کے لیے کہا۔

دوست بولا: ''مٹی تم نے پھینکی ہے تو پھر میں کیوں بھاگوں؟''

مرسلہ : حرا سعید شاہ، جوہرآباد

😊 ایک بڑی عمر کا لڑکا محلے کے ایک چھوٹے بچے کو پکڑ کر ڈانٹ رہا تھا۔ قریب سے بچے کی ماں گزری۔ اس نے پوچھا: ''بھئی بچے کو کیوں ڈانٹ رہے ہو؟''

لڑکے نے کہا: ''یہ کل مجھے اُلّو کہہ رہا تھا، آج گدھا کہہ رہا ہے۔''

عورت نے نرمی سے کہا: ''ارے بچہ ہے چھوڑو، اسے ابھی جانوروں کی پہچان نہیں۔''

مرسلہ : اسامہ صدیقی، کراچی

😊 بیٹا: ''پاپا! یہ جو ہم نے نیا گھر لیا ہے، اس میں جن ہیں۔''

باپ: ''یہ جن وغیرہ کچھ نہیں ہوتے۔''

بیٹا: ''مگر پاپا! نوکرانی تو کہتی ہے، ہمارے گھر جن ہیں۔''

باپ: ''سامان پیک کرو۔''

بیٹا: ''وہ کیوں پاپا!''

باپ: ''اس لیے کہ ہمارے گھر میں کوئی نوکرانی نہیں ہے۔''

مرسلہ : فہد فدا حسین، فیوچر کالونی

😊 مشہور شاعر احمد فراز کینیڈا گئے۔ وہ سگرٹ بہت پیتے تھے۔ کسی خاتون نے ان سے کہا: ''آپ اتنی سگریٹ نہ پیا کریں۔ ساٹھ فی صد سگریٹ پینے والے افراد کو کینسر ہو جاتا ہے۔''

احمد فراز مسکرائے اور کہا: ''آپ فکر نہ کریں۔ میں باقی رہ جانے والے چالیس فی صد افراد میں شامل ہوں۔''

مرسلہ : بی بی سمیرا بتول اللہ بخش، حیدرآباد

😊 ایک گھڑی ساز کمپنی کے ڈائریکٹر نے ایک ریٹائر ہونے والے ملازم سے کہا: ''تمھاری چالیس سالہ خدمات کے اعتراف میں ہم تمھیں یہ سہولت فراہم کرتے ہیں کہ بیس سال پہلے کمپنی نے جو گھڑی تمھیں انعام میں دی تھی، تم یہاں اس کی مفت سروس کرا سکتے ہو۔''

مرسلہ : نادیہ اقبال، کراچی

😊 ایک دوست دوسرے دوست سے: ''آج کل کیا کام کر رہے ہو؟''

دوسرا دوست: ''بینک میں ملازم تھا، چھوڑ دیا۔''

پہلا دوست: ''کیوں چھوڑ دیا؟ کیا وجہ تھی؟''

دوسرا دوست: ''ہر وقت دوسروں کی رقم گننا پڑتی تھی۔

مرسلہ : سسی بخی، پسنی

😊 ایک سیاسی لیڈر جلسے میں تقریر کر رہے تھے۔ وقفے وقفے سے ایک کارکن ٹین کا ڈبا زور زور سے پیٹنے لگا۔ آخر تنگ آ کر لیڈر نے اسے ڈانٹ پلائی: ''بدتمیز! یہ کیا حرکت ہے؟''

کارکن بولا: ''شاید آپ غور نہیں کر رہے، سارا مجمع اونگھ رہا ہے اور میں مسلسل انھیں جگائے رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

مرسلہ : اُم کلثوم، عدنان، کراچی

😊 ایک صاحب نے پہلوان سے پوچھا: ''تم ایک وقت میں کتنے آدمی اُٹھا سکتے ہو؟''

پہلوان نے فخریہ انداز میں کہا: ''کم از کم دس آدمی۔''

''بس؟ تم سے اچھا تو ہمارا مرغا ہے، جو صبح صبح پورے محلے کو اُٹھا دیتا ہے۔''

مرسلہ : شیرونیہ شاہ، حیدرآباد

☺ایک صاحب کھانے پینے کے بہت شوقین تھے۔ کسی دعوت میں اتنا کھا لیا کہ پیٹ میں درد ہو گیا۔

گھر پہنچے تو بیگم نے کہا: ''دوا کھا لو، درد دور ہو جائے گا۔''

وہ بولے: ''اگر اتنی گنجائش ہوتی تو ایک لقمہ اور نہ کھا لیتا۔''

مرسلہ : لائبہ فاطمہ، محمد شاہد، میرپورخاص

☺میاں بیوی میں سخت لڑائی ہونے کے بعد بیوی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے : ''یا اللہ! اگر قصور ان کا ہے تو ان کو اُٹھا لے اور اگر میں غلط ہوں تو مجھے بیوہ کر دے۔''

مرسلہ : رمشا فاطمہ، محمد شاہد علی، میرپورخاص

☺ایک بار ایک آدمی نے ایک بزرگ سے پوچھا: ''بابا! دوست اور دشمن میں پہچان کس طرح کی جائے؟''

بزرگ نے اپنی جیب سے ماچس کی ڈبیا نکالی۔ اس میں دو ماچس کی تیلیاں نکالیں ایک واپس اندر رکھ دی، دوسری کے دو حصے کیے ایک حصہ پھینک دیا اور ایک حصہ کان میں گھماتے ہوئے بولے: ''بیٹا! انٹرنیٹ پر معلوم کر لے، مجھے کیا پتا۔''

مرسلہ : کنول طاہر، نواب شاہ

☺مالک نوکر سے : ''تم جس کام سے جاتے ہو، دو تین گھنٹے لگا کر واپس آتے ہو۔ آخر کیوں؟''

نوکر: ''صاحب جی! آپ ہی نے تو کہا تھا۔ بجلی کی طرح کام کیا کرو۔''

مرسلہ : فہد فدا حسین، فیوچر کالونی

☺علی نے احمد سے پوچھا: ''بتاؤ، تین چیونٹیوں نے حلوا پکایا، دو نے کھایا، ایک نے نہیں کھایا۔ بتاؤ کیوں؟''

احمد نے کہا: ''پتا نہیں۔''

علی نے کہا: ''تیسری کو شوگر کا مرض تھا۔''

مرسلہ : علینہ وسیم، کراچی

گاؤں کا ڈاکٹر

ریحان خورشید

''آج کی یہ اہم میٹنگ کچھ دن بعد جنت پورہ گاؤں میں لگائے جانے والے میڈیکل کیمپ کے بارے میں ہے۔ ہم وہاں پھیلی ہوئی وبائی بیماریوں کے خاتمے کے لیے کوشش کریں گے۔'' ڈاکٹر خالد نے میٹنگ کا آغاز کرتے ہوئے کہا اور پھر انھیں تفصیل سے کیمپ کے بارے میں بتانے لگے۔

آخر میں انھوں نے ڈاکٹروں کو سوالات کی اجازت دی تو سب سے پہلے عبدالعزیز نے کہا: ''سر! جنت پورہ سے کچھ دور ایک اور گاؤں علی پور بھٹیاں واقع ہے۔ وہاں بھی کچھ بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہمیں وہاں بھی میڈیکل کیمپ لگانا چاہیے۔''

ڈاکٹر خالد نے دوسرے ساتھی ڈاکٹروں سے مشورہ کیا اور جواب ہاں میں پا کر وہاں بھی میڈیکل کیمپ لگانے کا اعلان کر دیا۔ جنت پورہ میں ڈاکٹر خالد، ڈاکٹر وقار اور ڈاکٹر سمیع کی ڈیوٹی لگی تھی، جب کہ علی پور بھٹیاں کے لیے ڈاکٹر عبدالعزیز اور ڈاکٹر عبدالمجید مقرر کیے گئے تھے۔

......☆......

سلیم کے گاؤں کا نام علی پور بھٹیاں تھا۔ وہاں گزشتہ دنوں کچھ وبائیں پھوٹ پڑی تھیں اور گاؤں کے بہت سے لوگ ان کی لپیٹ میں آ گئے تھے، جن میں سلیم کے والدین بھی شامل تھے۔ یہاں وبائی امراض پر قابو تو پایا جا سکتا تھا، مگر علاج میسر نہیں تھا۔ انھی بیماریوں نے گاؤں کے لوگوں کو افلاس اور غربت کا شکار بھی کر دیا تھا۔

سلیم اپنے گھر کے صحن میں نیم کے درخت تلے بیٹھا تھا جب دروازہ کھلا اور اماں بشیراں اندر داخل ہوئیں۔ تیز چلنے کی وجہ سے ان کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ سلیم نے پوچھا: ''اماں! خیر تو ہے؟''

اماں نے کہا: ''ہاں بیٹا! اندر سے اپنے اماں، ابا کو بلا لاؤ۔ اسپتال والے (ڈاکٹر) آئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے کیمپ لگایا ہے۔ جلدی چلو، نہیں تو پھر بھیڑ ہو جائے گی۔''

سلیم یہ سنتے ہی بھاگ کر اپنی امی اور ابا کو بلا لایا۔ کچھ دیر میں وہ سب بڑے میدان کی طرف روانہ ہو چکے تھے، جہاں ڈاکٹروں نے کیمپ لگایا تھا۔

سلیم کے والدین کیمپ پہنچ کر معائنے کے لیے لائن میں لگ گئے تھے اور سلیم ان سے کچھ دور کھڑا سوچوں میں گم ہو گیا تھا۔ شاید وہ اپنے گاؤں کی خوش حالی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تبھی مریضوں کا معائنہ کرتے ڈاکٹر عبدالعزیز نے ایک لمحے کے لیے سر اُٹھایا تو ان کی نظر سلیم پر پڑی، ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ نہ جانے کیوں انھیں اس لڑکے کے معصوم چہرے میں اپنے بیٹے کا عکس محسوس ہوا۔ انھوں نے سر جھٹکا اور دوبارہ مریضوں کا معائنہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا، جو ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا تھا۔

سلیم اپنی سوچوں میں اسی طرح گُم کھڑا تھا کہ اسے اپنی امی کی آواز سنائی دی: ''سلیم بیٹا! کہاں گُم ہو؟ گھر نہیں جانا کیا؟'' وہ چونکا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔

......☆......

سلیم اپنی ماں کے ساتھ صحن میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ اس کے ابا کے کراہنے کی آواز آئی۔ وہ اندر بھاگا، امی پیچھے آ رہی تھیں۔ اس کے ابا کی حالت بہت خراب تھی۔ سلیم

کے ذہن میں ایک خیال آیا، اس نے امی کو ابا کی دیکھ بھال کرنے کا کہا اور خود میڈیکل کیمپ کی طرف دوڑ لگا دی۔ ڈاکٹر عبدالعزیز سامنے ہی کھڑے تھے۔ اس نے انھیں ساری بات بتائی تو وہ فوراً اپنا بریف کیس اُٹھا کر اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچتے ہی انھوں نے مختلف آلات سے اس کے ابا کا معائنہ کیا اور انھیں کچھ دوائیں کھلائیں۔ پھر امی کو وہیں چھوڑ کر وہ سلیم کے ساتھ باہر صحن میں آ بیٹھے۔ انھوں نے سلیم سے پوچھا: ''تمھارا نام کیا؟''

سلیم نے جواب دیا: ''میرا نام سلیم ہے۔''

انھوں نے پوچھا: ''تم کس جماعت میں پڑھتے ہو؟''

سلیم نے کہا: ''میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔''

ڈاکٹر عبدالعزیز نے دوبارہ سوال کیا: ''تم بڑے ہو کر کیا بنو گے؟''

سلیم بولا: ''میں ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں، لیکن ابا کہتے ہیں کہ ڈاکٹر بننے کے لیے بہت پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ تو ہمارے پاس نہیں ہیں۔''

ڈاکٹر عبدالعزیز نے ایک پل کو سوچا پھر کہا: ''میں تمھیں ڈاکٹر بناؤں گا۔''

سلیم حیرت سے بے ہوش ہوتے ہوتے بچا: ''آپ؟''

''ہاں! میں۔ تم آج سے میرے بیٹے ہو۔ ہمارا کیمپ ایک ہفتے بعد ختم ہو جائے گا۔ پھر میں تمھیں تمھارے والدین کے ساتھ شہر لے جاؤں گا۔'' ڈاکٹر عبدالعزیز اسے خوش خبری سنا کر چلے گئے تھے اور وہ وہیں ساکت بیٹھا رہ گیا تھا۔

......☆......

ڈاکٹر عبدالعزیز نے سلیم کو شہر میں ایک اچھے اسکول میں داخل کرا دیا تھا۔ سلیم محنت

کر کے ہر مرتبہ جماعت میں اول آتا تھا۔ پھر وہ دن بھی آیا جب اس کے اچھے نمبروں کی بدولت اس کا داخلہ ایک میڈیکل کالج میں ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالعزیز اس کی قدم قدم پر رہ نمائی کرتے تھے اور اسے گھر پر پڑھاتے بھی تھے۔ دن گزرتے گئے۔ سلیم ڈاکٹر بن گیا اور شہر کے ایک بڑے سرکاری اسپتال سے منسلک ہو گیا۔

انھی دنوں اسے گاؤں میں وبا پھوٹنے کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً اسپتال میں اپنے انچارج سے بات کی اور کچھ ہی دنوں میں اپنے ساتھی طبی عملے کو لے کر گاؤں روانہ ہو گیا۔ ڈاکٹر سلیم کے والدین بھی ساتھ تھے، مگر ڈاکٹر عبدالعزیز مصروفیت کی وجہ سے ان سب کے ساتھ نہ جا سکے۔ وہ اپنے گھر پہنچا تو اس کا پُر جوش استقبال کیا گیا۔ آج وہ اپنے خواب کی تعبیر اور خدمت کے جذبے کے ساتھ ایک بار پھر اپنے پیاروں کے درمیان موجود تھا۔ اب وہ ہفتے میں دو دن گاؤں کے لوگوں کا مفت علاج کیا کرتا تھا۔ ☆

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۸۰ رپے (رجسٹری سے ۵۰۰ رپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکٹھے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ اکتوبر ۲۰۱۵ء کے بارے میں ہیں

❁ اکتوبر کا شمارہ توقع کے عین مطابق دیگر شماروں کی طرح شان دار تھا۔ طیارہ ڈبلیو گیارہ (وقار محسن)، بلاعنوان کہانی (محمد ذوالقرنین خان) اور بوجھو تو جانیں (عبدالرؤف تاجور) کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ محمد ابراہیم، کراچی۔

❁ تازہ شمارہ جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک معلومات، نظموں، لطیفوں، کہانیوں وغیرہ سے بہت ہی خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ نونہال مصور مجھے پسند ہے۔ نونہال لغت بھی سپرہٹ ہے۔ اس سے نئے نئے الفاظ اوران کا مطلب سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ انکل! ''مضطر'' کا کیا مطلب ہے؟ طوبیٰ فاروق حسین شیخ، شکارپور۔

> مضطر (مُ ضْ طَ ر) کا مطلب ہے، تکلیف میں مبتلا۔ بے بس۔ بے اختیار۔ پریشان۔

❁ ماہ اکتوبر میں سب کہانیاں اورتحریریں بہت اچھی تھیں۔ خاص کر بلاعنوان کہانی (محمد ذوالقرنین خان) بہت زبردست تھی۔ طیارہ ڈبلیو گیارہ (وقار محسن) ایک کھلکھلاتی کہانی تھی اور اچھی لگی۔ وبالِ جان (محمد اقبال شمس) ایک سبق آموز اور مسکراتی کہانی ثابت ہوئی۔ محرم الحرام کی عظمت (ن۔ ش) اورمٹی کا روشن دیا (مسعود احمد برکاتی) اچھی تحریریں تھیں۔ ریشمی جوڑا (حسن ذکی کاظمی) اچھی تحریر تھی۔ وقار محسن کی یادیں (شمیم وقار) پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ نونہال مصور میں تمام تصویریں بہت اچھی تھیں۔ کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی۔

❁ اکتوبر کا شمارہ بہترین تھا۔ ساری کی ساری کہانیاں بہترین تھیں۔ ایم اختر اعوان، کراچی۔

❁ جاگو جگاؤ اور پہلی بات پڑھ کر دماغ کو روشنی ملی۔ حمدِ باری تعالیٰ بھی بہت خوب تھی۔ کہانی آفت (جاوید اقبال) پڑھ کر بے اختیار ہنسی آ گئی۔ انکل! آپ کا مضمون ''عقل مندی کا تقاضا'' پڑھ کر بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ مختصر یہ کہ پورا رسالہ ہی بہت خوب تھا۔ صبور خالد، کورنگی۔

❁ جاگو جگاؤ اور پہلی بات پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اچھی اچھی کہانیاں پڑھ کر اور بھی مزہ آیا۔ معلومات افزا نے میری معلومات اور بھی بڑھا دی ہیں۔ انکل! کتاب ''پیاری سی پہاڑی لڑکی'' منگوانے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ زہیر احمد بن ذوالفقار بلوچ، کراچی۔

> ۶۵ روپے کا منی آرڈر بھیج دیں یا خود ہمدرد سینٹر ناظم آباد نمبر ۳ آ کر کتاب خرید لیں۔

❁ تازہ شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں، مضامین، علم

دریچے، نظمیں، مسکراتی لکیریں، نونہال ادیب، ہنسی گھر غرض یہ کہ تمام رسالہ بہت خوب تھا۔ سلمیٰ سعید، کوسٹارنگ۔

❁ اکتوبر کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ تمام کہانیاں اپنے عروج پر تھیں۔ چند ایک غلطیاں رسالے میں ملتی ہیں، جیسا کہ پچھلے ماہ ''طوطا'' غلط لکھا ہوا تھا۔ اصل لفظ ''طوطا'' ہے، مگر شمارے میں '' توتا'' لکھا ہوا تھا۔ میرا علاقہ (وادیٔ سیون) بہت ہی خوب صورت اور سرسبز و شاداب ہے۔ کیا میں اپنے علاقے پر کوئی مضمون لکھ کر بھیج سکتا ہوں؟ فتح محمد شارق، نوشہرو۔

توتا ''ت'' سے ہی درست ہے۔ مضمون معلوماتی ہونے کے ساتھ دل چسپ بھی ہونا چاہیے۔ تحریر پڑھ کر ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

❁ اکتوبر کا نونہال بہت ہی اچھا لگا۔ سرورق کی تصویر بہت ہی پیاری ہے۔ جاگو جگاؤ اور روشن خیالات پڑھ کر دل بہت خوش ہوا۔ مٹی کا روشن دیا (مسعود احمد برکاتی) پڑھ کر احساس ہوا کہ تعلیم کیا چیز ہے۔ شادی اور کھانا (شہید حکیم محمد سعید) پڑھ کر علم میں اضافہ ہوا۔ وبالِ جان، طیارہ ڈبلیو گیارہ غرض کہ تمام رسالہ بہت ہی دل چسپ اور معلوماتی ہے۔ فائزہ ایوب، نواب شاہ۔

❁ اکتوبر کا شمارہ ہمیں بے حد پسند آیا۔ خاص کر مٹی کا روشن دیا (مسعود احمد برکاتی) اور طیارہ ڈبلیو گیارہ (وقار محسن) کے علاوہ ہنسی گھر اور سلسلہ بلاعنوان ہمیں بہت پسند آئے۔ سہیل احمد بابو زئی، اسرار احمد بابوزئی، کراچی۔

❁ اکتوبر کا شمارہ پڑھا، ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ خاص طور پر محترم شہید حکیم محمد سعید کی تحریر شادی اور کھانا بہت سبق آموز اور کارآمد تھی۔ جو آج کے نوجوانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ بے شک اچھے لوگ اگر اس دنیا سے چلے بھی جائیں تب بھی اپنی اچھی باتوں کی وجہ سے دلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہتے ہیں۔ محمد عاصم خانزادہ راجپوت، ٹھاروشاہ۔

❁ اکتوبر کا شمارہ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ کہانیاں تو سب ہی پسند آئیں، مگر شادی اور کھانا، مٹی کا روشن دیا، وبالِ جان، طیارہ ڈبلیو گیارہ، سمندر میں شیر کا شکار اور بلاعنوان کہانی بہت پسند آئیں۔ شیروتیہ ثناء، حیدرآباد۔

❁ اکتوبر کے شمارے کی ہر کہانی مزے دار تھی۔ سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور اس مہینے کا خیال اچھے لگے۔ کہانیوں میں وبالِ جان، بلاعنوان کہانی، سمندر میں شیر کا شکار، طیارہ ڈبلیو گیارہ اچھی کہانیاں تھیں۔ مضامین سب ہی اچھے تھے۔ نظموں میں پیغام، قائدِ ملت، نغمۂ وطن اور بڑا آدمی اچھی تھیں۔ عالیہ ذوالفقار، کراچی۔

❁ کہانی طیارہ ڈبلیو گیارہ نے دل جیت لیا۔ ساری

تحریریں اچھی رہیں۔ نونہال مصور کی ہر ڈرائنگ اچھی تھی۔ شادی اور کھانا، مٹی کا روشن دیا، وبالِ جان، سمندر میں شیر کا شکار، بلاعنوان کہانی، ریشمی جوڑا، معلومات ہی معلومات، آیئے مصوری سیکھیں اچھی تحریریں تھیں۔ وقار محسن کی یاد میں مضمون نے چہرے پر اُداسی بکھیر دی۔ شہید حکیم محمد سعید اور قائداعظم، محرم الحرام کی عظمت، بڑے لوگوں کے بڑے کام، بھی اچھے مضامین تھے۔ پیغام، بڑا آدمی اور قائدِ ملت نظمیں اچھی تھیں۔ ناعمہ ذوالفقار، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال اچھا اور معیاری رسالہ ہے۔ وہ ہر ماہ ہمیں کوئی نہ کوئی سبق یا نصیحت کرتا ہے۔ اس قدر پیارا رسالہ شائع کرنے پر آپ اور آپ کی ٹیم کو ہماری طرف سے مبارک باد قبول ہو۔ سیدہ ناعمہ نام بخش، کراچی۔

❁ اکتوبر کا شمارہ مجھ سے گم ہو گیا ہے، اس لیے پورا نہیں پڑھ سکی۔ نونہال مصور کے لیے تصویر کس شیٹ پر اور کن رنگوں سے بنائیں، واٹر کلر یا کلر پنسل سے؟ انعم صابر علی، کراچی۔

رجسٹر سائز کے سفید موٹے کاغذ پر واٹر کلر سے تصویر بنائیں۔ آپ کا بلاعنوان کا کوپن مقابلے میں شامل کر لیا ہے۔

❁ سرورق کی تصویر پر بچہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کہانی سمندر میں شیر کا شکار میری پسندیدہ کہانی تھی۔ وبالِ جان، طیارہ ڈبلیو گیارہ اچھی کہانیاں تھیں۔ آسیہ ذوالفقار، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال ایک اصلاحی رسالہ ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے آخری صفحے پر ''نونہال لغت'' دی جاتی ہے۔ جس سے مشکل الفاظ اور ان کے معنی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ تمام کہانیاں سپر ہٹ تھیں۔ میری طرف سے ہمدرد نونہال کی تمام ٹیم کو سلام۔ میں اپنے کزن کی تصویر سرورق پر شائع کرانا چاہتی ہوں۔ مریم نایاب، نوشہرو۔

تین سے پانچ سال کے بچے کی پوسٹ کارڈ سائز رنگین تصویر جس میں بچے کا موڈ خوش گوار ہو، بھیج دیں۔ تصویر جانچ پرکھ کے لیے کئی مراحل سے گزرتی ہے۔

❁ سرورق اچھا نہیں لگا۔ باقی تمام سلسلے اچھے تھے۔ وبالِ جان، بلاعنوان کہانی، طیارہ ڈبلیو گیارہ، سمندر میں شیر کا شکار اور ریشمی جوڑا اچھی کہانیاں تھیں۔ باقی تمام سلسلے علم دریچے، بیت بازی، نونہال ادیب بھی اچھے تھے۔ ہنسی گھر نے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ عافیہ ذوالفقار، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال ایک معلوماتی گلدستہ ہے۔ جس کا ہر پتّا (صفحہ) ایک الگ خوشبو رکھتا ہے۔ کسی پتے نے خوب ہنسایا تو کسی نے آنکھیں نم کر دیں۔ ماہ اکتوبر نے شمارے میں روشن خیالات نے دل کی گہرائیوں کو

چھولیا۔ ''سمندر میں شیر کا شکار'' نے تو مجھے حیران کر دیا۔ طیارہ ڈبلیو گیارہ ایک نا قابلِ فراموش تحریر تھی۔ بلاعنوان کہانی پڑھ کر تو ہم حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے۔ مٹی کا روشن دیا ایک بہت اچھی کاوش تھی، پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ حافظ زبیر ذوالفقار بلوچ، کراچی۔

٭ ہمدرد نونہال ایک معلومات افزا رسالہ ہے اور آپ جس طرح سے محسنِ انسانیت شہید حکیم محمد سعید کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں، یہ عمل قابلِ تحسین ہے۔ ہمدرد نونہال بچوں کے لیے ایک درس گاہ کا درجہ رکھتا ہے اور اس میں شائع ہونے والا تمام مواد علم کا خزانہ ہوتا ہے۔ جس سے قوم کے ننھے معماروں کی بہترین تربیت ہو رہی ہے۔ کیا میں بچوں کی انگریزی کہانیاں اردو میں ترجمہ کر کے بھیج سکتا ہوں؟ معراج محبوب عباسی، ہری پور ہزارہ۔

> ضرور، مگر کہانیاں بہت دل چسپ اور بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق ہوں۔ کاغذ کے ایک طرف سطر چھوڑ کر لکھیں۔

٭ تمام کہانیاں، نظمیں اچھی رہیں۔ بلاعنوان، وبالِ جان اور طیارہ ڈبلیو گیارہ اچھی کہانیاں تھیں۔ بوجھو تو جانیں کہانی بہت اچھی لگی۔ بڑے لوگ بڑے کام، مٹی کا روشن دیا، پہلی بات، جاگو جگاؤ اور روشن خیالات نے دل جیت لیا۔ حمنہ ذوالفقار، کراچی۔

٭ اکتوبر کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ بلاعنوان کہانی پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ریشمی جوڑا، وبالِ جان اور طیارہ ڈبلیو گیارہ بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ لطیفوں کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ ہر لطیفہ ایک سے بڑھ کر ایک تھا اور ہاں انکل! پلیز ہنڈکلیا بھی شامل کیا کریں۔ عمیر مجید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔

٭ اکتوبر کا شمارہ ہر لحاظ سے بہترین رہا۔ تمام کہانیاں، دل چسپ اور مزے دار تھیں، پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ مٹی کا روشن دیا (مسعود احمد برکاتی) پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ ہماری دعا ہے کہ ہمدرد نونہال مزید ترقی کرے۔ کرن حسین، اسد علی، فہد فدا حسین، فیوچر کالونی۔

٭ اکتوبر کا شمارہ دل چسپی سے بھرپور تھا۔ تمام کہانیاں دل چسپ تھیں۔ وبالِ جان اور بلاعنوان کہانی دل چسپ تھی۔ کرشمہ کا انداز دل چسپ تھا۔ طیارہ ڈبلیو گیارہ بھی دل چسپ تھی۔ نظمیں تمام دل چسپ انداز کی تھیں۔ علی حیدر، جھنگ صدر۔

٭ اکتوبر کا رسالہ بہت اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک سب ہی کچھ سپر ہٹ تھا۔ غرض پورا رسالہ ہی مزے کا تھا۔ کہانیوں میں پہلا نمبر بلاعنوان کہانی کو ہی دینا چاہیے۔ باقی کہانیاں بھی بے مثال تھیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے، مگر سب سے اچھی تحریر ''نا قابلِ استعمال ٹوٹکے'' تھی۔ سید محمد موسیٰ، جگہ نا معلوم۔

❁ اکتوبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ سرورق بھی بہت اچھا تھا۔ مقدس چوہدری، راولپنڈی۔

❁ اکتوبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ پاکستان ہماری پہچان، پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ حقیقت میں پاکستان ہماری پہچان ہے۔ مہوش حسین، جگہ نامعلوم۔

❁ اس دفعہ شمارہ سپر ہٹ تھا۔ خاص طور پر شادی اور کھانا، نمبر ایک پر تھی۔ لطائف بھی مزے کے تھے۔ محمد شکیب مسرت، بہاول پور۔

❁ اکتوبر کا شمارہ نہایت شان دار تھا۔ بہترین تحریروں میں مٹی کا روشن دیا (مسعود احمد برکاتی)، وبالِ جان (محمد اقبال شمس)، سمندر میں شیر کا شکار (جاوید اقبال) شامل تھیں۔ آدھی ملاقات، علم دریچے کی ہر تحریر اچھی تھی۔ حکیم صاحب کی تحریریں اخلاق کا نمونہ ہوتی ہیں۔ غلام عباس مونی، کراچی۔

❁ اکتوبر کا شمارہ لاجواب تھا۔ خاص طور پر روشن خیالات بہت اچھے لگے۔ بلاعنوان کہانی بھی بہت اچھی تھی۔ ہم سب گھر والے ہمدرد نونہال بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس دفعہ ہمدرد نونہال میں سبق آموز کہانیاں اچھی تھیں۔ ثروت، طیبہ نور، بلوچستان۔

❁ اکتوبر کا ہمدرد نونہال عمدہ تھا۔ مجموعی طور پر ہمدرد نونہال اچھا جا رہا ہے۔ معلومات افزا سے علم میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ سلیم فرخی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ الطاف بوزدار، میر پور ماتھیلو۔

❁ اکتوبر کا شمارہ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔ ہمارے پیارے ساتھی وقار محسن صاحب کے انتقال کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ نونہالوں کو ابھی ان کی بہت ضرورت تھی۔ عمیرہ صابر، کراچی۔

❁ اکتوبر کا شمارہ ملا، سرورق خوب صورت تھا۔ نظموں میں قائد ملت اور پیغام بہت دل چسپ تھیں۔ کہانیاں بھی دل کو بھا گئیں۔ ان میں سے مٹی کا روشن دیا، بلاعنوان کہانی، سمندر میں شیر کا شکار، طیارہ ڈبلیو گیارہ، ریشمی جوڑا، وبالِ جان، کرشمہ، شادی اور کھانا، بوجھو تو جانیں مجھے بہت پسند آئیں۔ انکل! میں اپنی تصویر سرورق پر لگوانے کا خواہش مند ہوں۔ پرنس سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔

> سرورق پر پانچ سال تک کے بچوں کی تصویر لگائی جاتی ہے۔ تصویر خانہ کے لیے ایک ہی تصویر کافی ہے۔

❁ ہمدرد نونہال کسی سائبان سے کم نہیں اور اس کی تحریریں کسی کہکشاں سے کم نہیں۔ محمد اذعان خان، کراچی۔

❁ جناب وقار محسن صاحب کی وفات کا پڑھ کر دلی صدمہ ہوا۔ نونہال ایک عظیم کہانی نویس سے محروم ہو گئے۔ میرے بچے اور میں ان کی کہانیاں بہت شوق اور دل چسپی سے پڑھتے تھے۔ میں شہید حکیم محمد سعید صاحب کی طرح انھیں بھی نہیں بھول پاؤں گی۔ والدہ محمد اذعان اور عمیرہ صابر، کراچی۔ ☆

جوابات معلومات افزا - ۲۳۸

سوالات اکتوبر ۲۰۱۵ء میں شایع ہوئے تھے

اکتوبر ۲۰۱۵ء میں معلومات افزا-۲۳۸ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے ہیں۔ انعام یافتہ نونہالوں کو ایک کتاب بھیجی جا رہی ہے۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ قومِ عاد پر عذابِ الٰہی حضرت ہودؑ کے زمانے میں نازل ہوا تھا۔

۲۔ ''بیت المال'' کا محکمہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں باقاعدہ طور پر وجود میں آیا۔

۳۔ تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل مسیح پہاڑ کو تراش کر بنایا جانے والا مجسمہ ''ابوالہول'' مصر میں ہے۔

۴۔ ''تان سین'' مغل بادشاہ اکبر کے زمانے کا مشہور موسیقار تھا۔

۵۔ سابق امریکی صدر ریگن صدر بننے سے پہلے فلموں میں اداکاری کرتے تھے۔

۶۔ کراچی میں ''سندھ مدرستہ الاسلام'' یکم ستمبر ۱۸۸۵ء کو قائم کیا گیا تھا۔

۷۔ پاکستان میں سال کا سب سے چھوٹا دن ۲۲ دسمبر ہوتا ہے۔

۸۔ مولانا ظفر علی ۱۹۰۹ء میں مشہور اخبار زمیندار کے ایڈیٹر بنے تھے۔ یہ اخبار ان کے والد سراج الدین خاں نے جاری کیا تھا۔

۹۔ کیمسٹری کا لفظ عربی زبان کے لفظ کیمیا سے لیا گیا ہے۔

۱۰۔ غلام حسین ہدایت اللہ صوبہ سندھ کے پہلے گورنر تھے۔

۱۱۔ ''جاوا'' انڈونیشیا کا ایک اہم جزیرہ ہے۔

۱۲۔ کتاب ''یادوں کی برات'' مشہور شاعر جوش ملیح آبادی کی تصنیف ہے۔

۱۳۔ افریقی ملک روانڈا کی کرنسی فرانک کہلاتی ہے۔

۱۴۔ ''ISLAND'' انگریزی زبان میں جزیرے کو کہتے ہیں۔

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت: ''آگ لگائے، تماشا دیکھے۔''

۱۶۔ داغ دہلوی کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

ہزار کام مزے کے ہیں داغ اُلفت میں — جو لوگ کچھ نہیں کرتے، کمال کرتے ہیں

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے بیس خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: محمد فہد الرحمٰن، محمد اختر حیات خان، سیدہ سالکہ محبوب، رضی اللہ خان، اسما ارشد، ☆ ملتان: محمد اُسید خالد ☆ سکھر: عائشہ تزین ☆ لاہور: عزیر سہیل، حافظہ انشراح خالد بٹ ☆ راولپنڈی: ملک محمد احسن ☆ اسلام آباد: رمیصاء عمر ☆ حیدرآباد: محمد عاشر راحیل ☆ میر پور خاص: فریحہ فاطمہ ☆ پشاور: محمد حیان ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل۔

۱۶ درست جوابات دینے والے نونہال

☆ کراچی: ہادیہ کاشف، سندس آسیہ، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، اسامہ ملک، محمد معصب علی، سیدہ مریم محبوب، سیدہ جویریہ جاوید، سید صفوان علی جاوید، ہادیہ عدنان، محمد ابراہیم، ناعمہ ذوالفقار، مسفرہ جبیں، علینا اختر، محمد حسن نوید ظفر، محمد حشمان بیگ، مسکان فاطمہ ☆ پسنی: سسی سخی، تحسیم واحد، سمی سخی، شیراز شریف، شلی سخی ☆ ملتان: حنظلہ رضوان ☆ نوشہرو فیروز: شایان آصف خانزادہ راجپوت، ریان آصف خانزادہ راجپوت، محمد جاوید ابراہیم پُھل ☆ سکھر: عمارہ ثاقب ☆ لاہور: عبداللہ عامر، صفی الرحمٰن، مطیع الرحمٰن، عائشہ صدیقہ معین، مقدس غفور ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ ٹنڈو جام: رطابہ جاوید ☆ شیخو پورہ: محمد انوار الحق ☆ کاموںکے: محمد حسنات حمید ☆ کرک: روحین زمان۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: طٰحہٰ بلال انصاری، حافظہ فردوس الرحمٰن، سمیعہ توقیر، اریبا آفتاب، زارا ندیم، زلیخا مصطفیٰ، ہما ناز، سیدہ ابیہا حسن، اقبال احمد خان، ناعمہ تحریم، کومل فاطمہ اللہ بخش، محمد

بلال مصطفیٰ قریشی، زہرہ شفیق، فہد فدا حسین، محمد شیراز انصاری، علیزہ سہیل، سید محمد موسیٰ ☆ حیدرآباد: حیان مرزا، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **سکھر:** فلزا مہر، حرا مجید کھوکھر ☆ **لاہور:** عبدالجبار رومی انصاری ☆ **اسلام آباد:** محمد شہیر ☆ **ملتان:** احمد عبداللہ ☆ **جہلم:** سیماں کوثر ☆ **نواب شاہ:** ولید امجد ☆ **فیصل آباد:** محمد اواب کمبوہ ☆ **بہاول نگر:** زید یونس ☆ **بہاول پور:** محمد فراز اختر ☆ **میر پور خاص:** وقار احمد ☆ **گوجرانوالہ:** زینب احمد۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ **کراچی:** ذیشان احمد، احتشام شاہ فیصل، ایم اختر اعوان، عریشہ حامد، ماریہ عبدالغفار، تنشالہ ملک، اسامہ زاہد، عبیرہ صابر ☆ **حیدرآباد:** شیروینہ ثناء، فائز احمد صدیقی ☆ **نواب شاہ:** ارم بلوچ محمد رفیق ☆ **میر پور خاص:** رقیہ بی بی ☆ **سکھر:** محمد سعید راجپوت بھٹی ☆ **اسلام آباد:** داؤد احمد ☆ **راولپنڈی:** مقدس چوہدری۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ **کراچی:** بے بی ریحان علی، ثناء اللہ، عدین افضل، محمد بن اسحاق ☆ **لاہور:** عبداللہ ☆ **اوتھل:** حدیقہ ناز۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ **کراچی:** اسرار احمد بابوزئی، محمد احسن حسین اعوان ☆ **ٹنڈو قیصر:** ماہین ☆ **اسلام آباد:** عاکفہ خان۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ **کراچی:** بلال خان، علی حسن محمد نواز، سہیل احمد بابوزئی، اویس احمد، عمیر رفیق، آسیہ جاوید احمد شیخ ☆ **نواب شاہ:** نعمان ایوب ☆ **میر پور خاص:** مریم کھٹیان ☆ **سرگودھا:** شاہ زیب علی جٹ۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال اکتوبر ۲۰۱۵ء میں جناب محمد ذوالقرنین خان کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو مختلف جگہوں سے نونہالوں نے بھیجے ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ بے داغ منصوبہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

۲۔ شہ مات : محمد اُسید خالد، ملتان

۳۔ بہترین انتقام : اُمِ ہانی معین، لاہور

﴿ چند اور اچھے عنوانات ﴾

دانا دشمن۔ نہلے پہ دہلا۔ انصاف کی جیت۔ باہمت باکمال۔

انوکھی ترکیب۔ ذہانت کی جیت۔ دلیر عقل مند۔

خطرناک مہم۔ عقل کا وار۔ انوکھی شرط۔ احمق بادشاہ

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: احمد رضا، جلال الدین اسد، طاہر مقصود، محمد عثمان خان، محسن محمد اشرف، احسن محمد اشرف، محمد وقاص علی، محمد معین الدین غوری، محمد اویس امیر احمد، بہادر، احمد حسین، طلحہ سلطان شمشیر علی، محمد اختر حیات خان، فضل قیوم خان، فضل ودود خان، صفی

اللہ، کامران گل آفریدی، بلال خان، محمد فہد الرحمٰن، احتشام شاہ فیصل، علی حسن محمد نواز، لبابہ عمران خان، محبّ اللہ ندیم، عشرۃ العین شیخ، مصامص شمشاد غوری، ہادیہ کاشف، محمد حسن نوید، معاذ اقبال، ہما ناز، محمد بلال صدیقی، ایم اختر اعوان، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، اسامہ ملک، مریم بنت علی، انعم صابر، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، ارم حسن منیر خان، رینان علی، اسرار احمد بابوزئی، ملیحہ عابد، محمد حشمان بیگ، سیدہ ابیہہ احسن، جون رضا، کومل فاطمہ اللہ بخش، ایمان داؤد، مسکان فاطمہ، محمد بلال مصطفیٰ قریشی، زہرہ شفیق، محمد ابراہیم، ذیشان احمد، رضی اللہ خان، عالیہ ذوالفقار، نور حفیظ، مجتبیٰ احمد، عریشہ حامد، فہد فدا حسین، ربیعہ علی، محمد شیراز انصاری، رشنا جمال الدین، عمیر رفیق، سید محسن علی، علیزہ سہیل، سید محمد موسیٰ، فاطمہ احسان، معاذ اسحاق، لاریب امان اللہ، آسیہ جاوید احمد شیخ، علینا اختر، ثناء اللہ، ثمن عائشہ، اسما ارشد، سمیعہ توقیر، مہوش حسین، تابندہ آفتاب، عروج عباس مونی، رضوان ملک امان اللہ، محمد احسن حسین اعوان، محمد اذعان خان ☆ لاہور: عبداللہ، عطیہ جلیل، ماہین صباحت، مہر رحمٰن، عتیق ریاض، حافظہ انشرح خالد بٹ، عبداللہ عامر، حمزہ سہیل، عبدالجبار رومی انصاری، عبداللہ منصور، مقدس غفور ☆ حیدرآباد: زرشت نعیم، زارا خان، عائشہ ایمن عبداللہ، میمونہ بنت ضرب اللہ بلوچ، شیرونیہ ثنا، بی بی سمیر بتول اللہ بخش سعیدی، مریم کاشف، ماہ رخ، فائز احمد صدیقی ☆ پسنی: جنید واحد، تحسیم واحد، سی سخی، شیراز شریف، میران سخی۔

☆ **اسلام آباد:** عنیزہ ہارون، زینب جبیں، محمد شہیر، دانیال احمد ☆ **میر پور خاص:** فریحہ فاطمہ، سید میثم عباس شاہ، محمد توقیر، زبیر احمد ☆ **سکھر:** سمیہ وسیم، فلزا مہر، وجیہ مجید، طوبیٰ سلمان، عائشہ تزین، بشریٰ محمد محمود شیخ ☆ **ننکانہ صاحب:** ملائکہ قادری، صوفیہ شاہد ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** محمد شکیل انجم، سعدیہ کوثر مغل ☆ **راولپنڈی:** فاطمہ سحر شفیق، مقدس چوہدری، علی حسن، ملک محمد احسن ☆ **نوشہرو فیروز:** ریان آصف خانزادہ راجپوت، سفیان آصف خانزادہ راجپوت، نازیہ پُھل ☆ **نواب شاہ:** فراز ایوب، ارم بلوچ محمد رفیق، حمزہ امجد، ☆ **ملتان:** ابیحہ ثاقب، ایمن فاطمہ، محمد سبحان عابد ☆ **بہاول نگر:** عروشہ جاوید، محمد احمد جواد گل جگنو، تحریم یونس ☆ **بہاول پور:** محمد فراز اختر، محمد شکیب مسرت ☆ **پشاور:** محمد حمدان ☆ **ڈھرکی:** سیماب آصف ☆ **گوجرانوالہ:** احمد خالد ☆ **میانوالی:** نجم الصباح ☆ **خوشاب:** مریم نایاب ☆ **کہوٹہ:** محمد ہاشمی خان ☆ **میر پور ماتھیلو:** آصف بوزدار ☆ **وہاڑی:** مومنہ خالد ☆ **جھنگ صدر:** محمد بلال یوسف ☆ **خانیوال:** محمد دانش کریم ☆ **جہلم:** سیماں کوثر ☆ **شکار پور:** راشد منہاس بھٹو ☆ **مظفر گڑھ:** پرنس سلمان یوسف سمیجہ ☆ **ٹنڈو قیصر:** ماہین ☆ **شیخو پورہ:** محمد احسان الحق ☆ **ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد ناز ☆ **سانگھڑ:** علیزہ ناز منصوری ☆ **فیصل آباد:** اصفیٰ کمبوہ ☆ **اوتھل:** صلاح الدین۔ ☆

نونہال لغت

مَسرور   مَ س رُ و ر   خوش۔ شاداں۔

چُور   چُ و ر   پسا ہوا۔ کٹا ہوا۔ چورا۔ ریزہ۔

اَشک   اَ ش ک   آنسو۔ قطرہ۔ ٹسوا۔

دِل آزاری   دِ ل آ زا رِ ی   دل دکھانا۔ تکلیف دینا۔ ظلم وستم، ایذا رسانی۔

دَم ساز   دَ م سا ز   رازدار دوست۔ ہم دم۔ ہم راز۔

فِراست   فِ را سَ ت   دانائی۔ عقل مندی۔ سمجھ داری۔

مُنادی   مُ نا دِ ی   پکارنے والا۔ اعلان کرنے والا۔ ڈھنڈورچی۔

مَلعون   مَ ل عُ و ن   لعنت کیا گیا۔ مردود۔ نکالا ہوا۔

سَوانح   سَ وا نِ ح   سانحہ کی جمع۔ حادثات۔ حالات۔ واقعات۔

اِعجاز   اِ ع جا ز   معجزہ۔ کرشمہ۔ کرامات۔ عاجز کرنا۔

اِفلاس   اِ ف لا س   مفلسی۔ تنگ دستی۔ ناداری۔ تہی دست۔

قَہوہ   قَ ہ وَ ہ   ایک پودے کا تخم (بیج) جسے بھون کر اور چائے کی طرح جوش دے کر پیتے ہیں۔ عام طور پر بغیر دودھ کی چائے کو کہتے ہیں۔

مَبنی   مَ ب نِ ی   بنیاد رکھا ہوا۔ بنیاد رکھنے کی جگہ۔ جس پر کسی چیز کی بنا ہو۔

تَبصِرہ   تَ ب صِ رَ ہ   کسی بات کے متعلق روشنی ڈالنا۔ رائے ظاہر کرنا۔ نقد ونظر۔ تشریح۔

ساکِت   سا کِ ت   چپ۔ خاموش۔ بے حس و حرکت۔ دم بخود۔